جلد ۸۹ | اگست ۱۹۷۸ء | عدد

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تفہیم القرآن

جلد اوّل تا ششم

سپیشل سیٹ ہدیہ = ۳۰۰ روپے

تفہیم القرآن

جلد اوّل تا ششم

مکمل سیٹ ہدیہ = ۲۵۴ روپے

اوّلین فرصت میں اپنے آرڈر سے مطلع فرمادیں

★

ادارہ ترجمان القرآن ۔ اچھرہ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۸۹	اگست ۱۹۷۸ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ	عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر —— ۴۱۱۰۱۶ —— ۴۱۱۰۱۷

زرسالانہ بیس روپے - فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

[بار بار ارادہ کرتا ہوں کہ وقتی احوال و مسائل سے ہٹ کر کچھ اصولی مباحث چھیڑے جائیں مگر حالات کا مدّوجزر ہی ایسا شدید ہے کہ توجہ پھر پیش آمدہ مسائل پر مرتکز ہوجاتی ہے]

سال رفتہ کے چند ایسے سرکاری فیصلوں کے سلسلے میں ضروری گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں، جن کے متعلق اگر توقعات پوری ہوجاتیں تو نظام اسلام کی طرف پیش قدمی کرنے میں حکام اور عوام دونوں کے حوصلے بڑھ جاتے۔ اصل میں فیصلوں کے ساتھ ایسی عملی تدابیر بھی پہلے سے متعین ہوجانی چاہییں جو ان فیصلوں کی کامیابی کی ضامن ہوں۔

مثلاً پہلے ہم عہد نامے کو لیتے ہیں۔

"عہد نامہ" جب آیا تھا اور شائع و ذائع ہوا تو بڑی امیدیں تھیں کہ یہ ایک سرسری سی وقتی چیز بن کے نہیں رہ جائے گا بلکہ زندگی کے مختلف دائروں میں یہ عملی اہمیت اختیار کرلے گا۔ مگر ہوا یہ کہ اوراق پر لکھا ہوا عہد نامہ ہوا کی موجوں کے حوالے ہوگیا اور جن لوگوں نے اسے بظاہر اپنایا، ان میں سے ماسوا ان کے جو پہلے ہی سے اس عہد نامے کے مفہوم کے مطابق زندگی گذار رہے تھے، باقی سب کے ہونٹ تو حرکت میں آئے لیکن دل و دماغ بدستور محوِ خواب رہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی بھی طاقت و تدبیر دلوں کو تبدیل نہیں کرسکتی، مگر جب کوئی حکومت داعیِ اصلاح ہو تو وہ نظامِ حیات اور اپنی مشینری اور قوم کے تمدن میں ایسے

مقامات و مواقع ڈھونڈ لیتی ہے جہاں کسی نئی چیز کو نصب کرنے سے اس کی برکت دا فادیت بڑھ جاتی ہے۔

مثلاً میری رائے میں عہد نامہ کو حسب ذیل صورتوں میں استعمال میں آنا چاہیے تھا۔

۱۔ کوئی بھی شخص جو کسی سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت میں آتا، یا ایک مرتبے سے ترقی کر کے نئے منصب پر پہنچتا تو اس کے لازم ہوتا کہ وہ وہاں کے دوسرے ملازمین کے اجلاس میں اپنے افسر بالا کے سامنے اس معاہدے کو پڑھے۔

۲۔ خاص طور پر کوئی وزیر یا سکرٹری یا جج اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے موقع پر اس عہد نامے کی پابندی کا اقرار کرتا۔

۳۔ ہر نکاح کے وقت کلمہ طیبہ (یا دوسرے کلمات) کے ساتھ، اس عہد نامے کو بھی کلمے کے تقاضوں کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے لازماً مجلسِ نکاح کے سامنے دولہا بھی پڑھتا، اور دلہن بھی خواتین کے حلقے میں اسے دہرا کر تازہ کرتی۔

۴۔ میٹرک سے اوپر کالجوں میں داخلہ کے وقت، یا داخلہ کی منظوری ہونے کے بعد، کسی خاص تقریب یا اسمبلی میں ہر طالب علم کے لیے اور محکمانہ تربیت گاہوں اور کورسوں کے شرکاء کے لیے اس کی خواندگی کرنا ضروری ہوتا۔

۵۔ مزدوروں، طلباء، صحافیوں اور دوسرے مشاغل سے وابستہ لوگوں کی یونینز کے عہدوں پر ہر انتخاب کے بعد آنے والے اصحاب عام حلف کے ساتھ اس عہد نامے کو بھی شامل کرتے۔

ایسی صورتیں اور بھی ہوسکتی ہیں۔ ان کے ذریعہ یہ عہد نامہ نہ صرف معاشرے میں رچ بس جاتا، بلکہ اسے قبول کرنے والوں کی طرف سے کسی بڑی خلاف ورزی کی صورت میں ان سے باز پرس بھی کی جا سکتی۔

دوسرا اہم معاملہ اقامتِ صلوٰۃ کا ہے۔

اس سلسلے میں بھی ایک عام سی اپیل جاری ہوگئی اور بس۔ حالانکہ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ذریعے بہت مؤثر کام ہوسکتا تھا جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ مثلاً:-

۱۔ تمام اسکولوں، دفتروں اور اداروں کے سربراہوں کے سر یہ ذمہ داری ڈالی جائے کہ وہ اپنے دائرے میں اقامت کا پورا اہتمام کریں، جس بھی نماز کا وقت دفتری اوقات میں آئے اُسے تمام کارکنان اور افسران باجماعت ادا کریں۔ اور شریک نہ ہونے والوں سے اوّلاً بازپُرس کی جائے، پھر جرمانہ کیا جائے، تبادلہ کیا جائے، لیکن اگر وہ کسی طرح اپنے آپ کو نہ بدلیں تو انچارج افسر اُن کی ملازمت ختم کرنے کی رپورٹ کرے۔

جس اسکول یا دفتر یا ادارے میں حسن و خوبی سے اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام ہو اور سب لوگ عملاً حصّہ لیں، اُس کے افسرِ اعلیٰ کے ریکارڈ میں اس خاص معاملے میں اچھا ریمارک دیا جائے، اور جہاں صورت برعکس ہو وہاں نااہلیت کا ریمارک دیا جائے اور ان ریمارکس کا ترقی وغیرہ کے معاملات میں اثر پڑے۔

۲۔ تمام جیلوں کے لیے حکم جاری کردیا جائے کہ وہاں ایک جگہ اگر مناسب نہ ہو تو الگ الگ بیرکس میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے اور جو قیدی باقاعدگی سے نماز پنجگانہ ادا کرے اسے دوسری معافیوں کے علاوہ اقامتِ صلوٰۃ کی بنا پر مزید سالانہ معافی دی جائے۔ جو قیدی تارکِ صلوٰۃ ہوں، ان کی دوسری معافیاں بھی روک دی جائیں۔

۳۔ کارخانوں اور دیگر بڑے بڑے صنعتی و تجارتی اداروں اور اُن کے دفتروں کے لیے بھی لازم قرار دیا جائے کہ وہاں بھی (جس نماز کا وقت آئے اس کے لیے) نماز باجماعت کا انتظام ہو۔

۴۔ سیاسی یا سوشل یا علمی و ادبی قسم کے اجتماعات پبلک مقامات پر منعقد ہوں یا لوگ کسی قومی تقریب کے لیے جمع ہوں، وہاں بھی (نماز کا وقت بیچ میں یا شروع یا آخر میں آنے کی صورت میں) اقامتِ صلوٰۃ کا انتظام کیا جائے اور پروگرام کے ساتھ ساتھ اس انتظام کا بھی اعلان کیا جائے۔

۵۔ طلبہ کے کیریکٹر سرٹیفکیٹ کے دو لازمی جزو ہوں: پہلا پابندئ نماز، دوسرا مجموعی اخلاقی رویّہ اور ڈسپلن کی پابندی وغیرہ۔ کوئی کیریکٹر سرٹیفکیٹ قابلِ قبول نہ ہو جب تک کہ اس میں پابندئ نماز کی تصدیق نہ کی گئی ہو۔

۶۔ اُوپر کے بعض جملوں کا اقتضا از خود یہ ہے کہ ملازمین کی شرائطِ ملازمت کا ایک جزو یہ ہو کہ وہ نماز پابندی سے ادا کرے گا۔

۷۔ کوئی ایسا شخص وزیراعظم یا عام وزیر یا کسی اسمبلی کا رکن اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کا

نماز ادا کرنا معلوم عام ہو۔ کسی تارکِ نماز کو اسلامی ریاست کی قیادت یا اس کے عوام کے منصبِ نمائندگی پر فائز رہنے کا کوئی حق نہیں۔

بظاہر ان میں بعض تجاویز خاصی سخت ہیں۔ اگر کوئی حکومت ایک خاص وقت میں زیادہ آگے نہ جا سکے تو کم از کم چند ضروری اقدامات تو اسے لازماً کرنے چاہییں۔

اس اسکیم کی کامیابی میں ذرائع ابلاغ کی مدد شامل رہنی چاہیے۔ وقتاً فوقتاً پروگراموں کے اندر بھی اور پروگراموں سے باہر بھی ایسی آیات، ایسی احادیث، ایسے اشعار اور خاص خاص شخصیتوں کے ایسے اقوال نشر ہونے چاہییں جو دلوں پر اثر انداز ہوں۔ ایسی نشریات میں رسمیت اور خانہ پُری کا انداز نہ ہونا چاہیے۔ اخبارات میں جس طرح بڑے تسلسل سے ٹریفک کے قواعد کی پبلسٹی کی گئی تھی، اسی طرح نماز کے لیے بھی انتہائی خوبصورت طریقوں سے پبلسٹی ہونی چاہیے۔ ایسی پبلسٹی کی پلاننگ خاص اہتمام سے کی جائے تاکہ اس میں واعظانہ انداز پیدا نہ ہو، بلکہ ادبی زور کے ساتھ مخلصانہ انداز سے اپیل کی جائے۔

ایک اور قابلِ توجہ معاملہ سرکاری محکموں اور دفتروں کے مصارف کو کم کرنے اور بچت دکھانے کا ہے۔ یہ چیز بھی ایسی نہیں کہ محض تلقین کر دی جائے بلکہ اس کے لیے بھی ٹھوس اور محسوس طریقے اختیار کرنے چاہییں۔

سب سے پہلے دو ایک ایسے امور جو ہم جیسے سرسری نگاہ رکھنے والے لوگ بھی جانتے ہیں۔ ایک تو بڑا اہم معاملہ یہ ہے کہ گرمیوں میں برف اور سردیوں میں کوئلہ دفاتر میں کم استعمال ہوتا ہے اور گھروں میں زیادہ منتقل کیا جاتا ہے۔

دفاتر کی اسٹیشنری میں بعض مدات ایسی ہیں جن پر لاکھوں روپے اُٹھ جاتے ہیں مگر عملاً مصارف بے معنی ہوتے ہیں۔ مثلاً قلمدان، دواتیں، روشنائی اور ہولڈر جو برسوں قبل استعمال ہوتے تھے، اب بھی خریدے جاتے ہیں۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ملازم بھی فونٹین پین ہی استعمال کرتا ہے اور ہولڈر دوات سے کوئی بھی نہیں لکھتا۔ یہ چیزیں گھروں میں لے جا کر بچوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔ کسی نے اس چیز کا کئی برس سے کبھی نوٹس نہیں لیا۔

یوں بھی اسٹیشنری کی مد ایسی ہے کہ جس میں سے لوگ ایک حصہ اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے ضرور اڑا لے جاتے ہیں۔ لہذا اس مد پہ کڑی نظر رکھنا ضروری ہے۔

پھر ہماری توجہ ٹیلیفون کے استعمال پہ جاتی ہے۔ سرکاری دفتروں کے ٹیلیفونوں کا یہ فیضِ عام ہے کہ ایک چپڑاسی اور چوکیدار بھی ٹرنک کال کرا لیتا ہے یا ڈائرکٹ ڈائلنگ سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔ اس مد میں خرچ کا اگر انضباط کیا جائے تو شاید مصارف ایک تہائی رہ جائیں۔

اس کے علاوہ بہت بڑی مد گاڑیوں کے استعمال کی ہے۔ گاڑیاں دفتری کاموں کے علاوہ بہت زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔ ذاتی اور نجی ضرورتوں ہی کے لیے نہیں، سیر و تفریح کے لیے بھی۔ پٹرول کا خرچ بھی بے محابا ہوتا ہے اور اس سے بہت برا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس معاملے کو بھی اگر کنٹرول کر لیا جائے تو بڑی کفایت ہو گی۔

سفر خرچ کی مد بھی قابلِ توجہ ہے۔

اس طرح کے تمام امور پہ قابو رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر دفتر سے ہفتہ وار یا ماہانہ یہ رپورٹ طلب کی جائے کہ مختلف مدات کے تحت کتنی بچت پیدا کی گئی۔ دفتر اپنے تمام کارکنوں سے انفرادی رپورٹیں لے کر ان کے ذریعے جو مصارف اٹھتے ہیں ان میں کیا کمی آئی۔

جب تک رپورٹ حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر کے مختلف اداروں اور دفاتر اور افراد کار کو تقابلاً نہ دیکھا جائے کہ کس کا کیا پارٹ ہے، اس وقت تک ہر فیصلہ ایک اپیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک مسئلہ زکوٰۃ کا ہے۔

زکوٰۃ کی رضاکارانہ ادائیگی کی اسکیم کا تجربہ اگر کرنا ہی ہو تو اس کے لیے حسب ذیل تدابیر ضروری ہیں

۱۔ زکوٰۃ، صدقے اور انفاق کے متعلق آیات و احادیث اور بعض مثالی واقعات کو نشرواشاعت کے ذرائع سے سامنے لایا جائے۔ نیز پمفلٹوں اور پوسٹروں کے ذریعے لوگوں میں ایتائے زکوٰۃ کا جذبہ ابھارا جائے۔

۲۔ اس سلسلے میں بہترین معیار کی مؤثر پبلسٹی بڑی ضروری ہے۔ مثلاً یتیم بچوں اور بیواؤں کے

دردناک حالات کا نقشہ کھینچ کر، یا غریب مریضوں کے مصائب کا تصور دلا کر، یا مالی وجوہ سے تعلیم سے محروم رہ جانے والے نوجوانوں کے لیے اپیل کر کے اغنیاء کو بتایا جا سکتا ہے کہ آپ کے صدقات غریبی و محرومی میں ڈوبتی ہوئی اکثریت کو بچا سکتے ہیں۔ ایسی پبلسٹی تنوع کے ساتھ اخبارات میں بھی اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذریعے بھی مسلسل جاری رکھی جائے۔

۳۔ بعض مالدار اشخاص کو خاص طور سے توجہ دلائی جانی چاہیے کہ آپ زکوٰۃ فنڈ میں کوئی بڑی رقم داخل کر کے مثال قائم کریں۔

۴۔ جو شخص زکوٰۃ فنڈ میں معتدبہ رقم (کسی مقررہ حد سے اوپر) جمع کرائے تو اس رقم کے نصف کی مقدار میں اس کا انکم ٹیکس معاف کرنے کا اعلان کیا جائے کیونکہ حکومت کو رفاہ عامہ کے لیے اس شخص کی ٹیکس کی رقم سے دگنی رقم مل رہی ہے۔

۵۔ اس کام کے لیے کسی الگ محکمے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کو سہولت دی جائے کہ وہ زکوٰۃ فنڈ کی مخصوص رسیدوں (ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس کی طرح) کے عوض کسی بھی بنک یا ڈاک خانے میں رقوم جمع کرا سکیں۔

۶۔ تمام رقوم متعلقہ منسٹری کے زیر نگرانی ہوں اور وہ ہر ماہ یا ہر سہ ماہی کی تکمیل پر موصولہ زکوٰۃ فنڈ کا بجٹ بنا کر کیبنٹ کے سامنے پیش کرے کہ یہ فنڈ کن لوگوں میں کس حساب سے تقسیم کیا جائے گا۔

۷۔ جہاں تک مستحقین کی فہرستوں کا تعلق ہے، یہ کام سیاسی لوگوں کے بجائے مساجد کمیٹیوں سے لیا جائے۔ صدر اور سیکرٹری گشت کر کے اور معلومات حاصل کر کے بیواؤں، یتیموں، معذوروں بے روزگاروں، بے وسیلہ مریضوں اور نادار طالب علموں کی فہرستیں تیار کریں۔ یہ فہرستیں ہر مسجد کمیٹی کے سامنے پیش ہوں اور ان کا جائزہ لینے والے اجلاس کی صدارت خطیب یا امام کرے۔ وہاں نقد و جرح کے بعد ان کو آخری شکل دی جائے۔ جن لوگوں کا اندراج فہرست میں مع ضروری معلومات کے کیا گیا ہو، ان کے نام کارڈ جاری کر دیے جائیں کہ اس کارڈ ہولڈر کو فلاں مجبوری و معذوری کی وجہ سے زکوٰۃ فنڈ میں سے اتنا حصہ پانے کا استحقاق ہے۔

۸۔ شروع میں اگر رقوم بالکل ہی کم موصول ہوں تو حکومت اپنی طرف سے چند لاکھ یا زائد روپیہ

اس میں داخل کرے۔

۹۔ فنڈ کو ضلع وار مستحقین کی تعداد کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً اگر ایک ضلع میں پانچ سو مستحقین ہیں اور اوسطاً پورے ملک میں فی مستحق ۲۵ روپے فی سہ ماہی آتے ہیں تو بارہ ہزار پانسو روپیہ اس ضلع کو الاٹ کر دیا جائے گا۔

۱۰۔ اس اسکیم کے مطابق زکوٰۃ فنڈ جمع کرنے یا خرچ کرنے میں جو بھی لوگ حصہ لیں گے ان کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

۱۱۔ فنڈ اگر کم رہے تو پہلے زیادہ شدید درجے کے ضرورت مندوں کی مدد کرنے تک کام محدود رہے، پھر آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بڑھایا جائے گا۔

۱۲۔ کسی خاص مقررہ مدت ـــــ ایک ماہ یا سہ ماہی یا سال ـــــ کے مکمل ہونے پر زکوٰۃ کے آمد و صرف کے حسابات شائع کیے جائیں۔

ہوسکتا ہے کہ اس سے بہتر نقشہ کار تجویز کیا جاسکتا ہو۔ بہرحال باقاعدہ اسکیم اور باقاعدہ منصوبہ بندی اور باقاعدہ تحریک و تلقین کے بغیر محض اپیاتے زکوٰۃ کی اپیل سے رضا کارانہ فنڈ کچھ بہت زیادہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

آخر میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ رمضان المبارک آپہنچا ہے اور یہ مہینہ اپنا احترام چاہتا ہے۔ اس کا اصل احترام یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ صدقات کیے جائیں۔ قرآن مجید پڑھا جائے اور اخلاق بلند کیے جائیں۔ مگر احترام یہ بھی ہے کہ بر سرعام روزہ شکنی کا اظہار کوئی نہ کرے، دکاندار بے باکی سے اکل و شرب کا سامان نہ بیچیں، ریڈیو، ٹیلی وژن، کلب وغیرہ رقص و سرود کے مظاہروں سے خالی ہوں۔ کم سے کم پچھلے سال کے معیار کو اگر آگے نہ بڑھایا جاسکے تو اس میں کمی تو ہرگز نہ آنی چاہیے۔

نبوت کی حقیقت اور اس کی ضرورت واہمیت

از جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

(۳)

قرآن کریم کی سورۃ النساء میں ۱۲ انبیاء کے نام لے کر اور باقی کا حوالہ دے کر فرمایا گیا ہے:۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (النساء آیت ۱۶۵)

"یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کے بھیجنے (اور سمجھانے) کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے دربار میں کوئی حجت (لاعلمی کا بہانہ) باقی نہ رہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں اور بھی کئی جگہ آئی ہیں مثلاً طٰہٰ ۱۳۴ — الاسراء ۱۵ — القصص ۵۹ — ابراہیم ۴ اور سورۃ یونس ۴۷ — ان سب کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکمِ حقیقی بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بندوں کو اپنی مرضی اور اپنے احکام سے باخبر رکھے۔ جس کا ذریعہ صرف وحی ہے، اس لیے کہ عقلِ انسانی اس بارے میں خود کفیل نہیں ہے اور ہر انسان کے اندر وہ قوتِ برداشت اور وہ قابلیت نہیں ہے جس کی بنا پر وہ رب العالمین سے (براہِ راست) ہم کلام ہو سکے۔ بخاری شریف کتاب العلم "باب فَضْلُ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ"۔ اور مسلم شریف کتاب الفضائل باب مَثَلُ مَا بُعِثَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ میں رسالت اور تعلیماتِ رسالت کو بارش سے تشبیہ دے کر اس کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جس طرح زمین کی سرسبزی و شادابی بارش

پر موقوف ہے، اسی طرح بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی رسالت کے بغیر شائشتہ و آراستہ اور استوار و خوشگوار نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ انسانیت اپنی کم عقلی کی وجہ سے پروانوں کی طرح آگ میں کودتی ہے اور انبیاء علیہم السلام پکارتے ہیں بچو آگ سے - بچو آگ سے (بخاری و مسلم) ایک اور حدیث میں مثال کے انداز میں فرمایا گیا ہے کہ خدا کا نبی نفس و شیطان کے خطرات سے انسانیت کو باخبر رکھنے کے لیے آتا ہے (بخاری و مسلم)۔ حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے نفع و نقصان میں کاملاً تمیز نہیں کر سکتا اس لیے نبوت کی ضرورت ہے۔

نبوت کی ضرورت فلاسفۂ اسلام کی نظر میں | ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ یا ۳۴۳ھ

فارابی اور ابن سینا نے الٰہیات میں بعض گمراہ کن نظریات بھی پیش کیے ہیں - ان دونوں حضرات نے ارسطو کی تقلید کرتے ہوئے نبوت کی تشریح سائیکلوجی (علم نفسیات) کی روشنی میں کی ہے اور خطرناک غلطی کا شکار ہوئے ہیں، لیکن نبوت کی اصل حقیقت معلوم نہ کر سکنے کے باوجود نبوت کی ضرورت کے یہ دونوں نہ صرف یہ کہ قائل تھے بلکہ اسے بہترین انداز میں ثابت بھی کیا ہے - فارابی نبی کو "رئیس اول" کہتے ہیں یعنی قائد اول یا "قائدِ اعلیٰ" - اس کی ایک کتاب "السیاسۃ المدنیۃ" ۱۹۶۴ء میں مطبع کاثولیکیۃ (کیتھولک) بیروت نے ڈاکٹر فوزی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:

> ہر انسان کی فطرت میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کے بل بوتے پر اچھی چیزوں اور سعادت کو معلوم کر سکے بلکہ اس بارے میں مرشد اور معلم کی ضرورت ہے۔ جس انسان کے اندر راہنمائی اور بھلائی کے کاموں پر لوگوں کو آمادہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو وہ رئیس کہلاتا ہے (لیڈر اور قائد) - رئیس کبھی رئیس اول ہوتا ہے اور کبھی رئیس ثانی - رئیس ثانی وہ ہوتا ہے جو دوسرے قائد کی رہنمائی میں لوگوں کی قیادت کرتا ہو - اور رئیسِ اوّل جس کو رئیسِ مطلق بھی کہا جاتا ہے وہ ہوتا ہے جو کسی حالت اور کسی چیز میں دوسرے انسانوں کی رہنمائی کا محتاج نہ ہو۔ یہی انسان متقدمین فلاسفہ کے نزدیک حقیقت میں بادشاہ ہوتا ہے - یہی رئیس اوّل اور قائدِ اعلیٰ ہوتا ہے اور اسی کو وحی سے نوازا جاتا ہے[۱]"

[۱] السیاستہ المدنیہ للفارابی ص ۶-۹، طبع بیروت ۱۹۶۴ء

فارابی کی ایک دوسری کتاب کا نام ہے " آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ " اس میں رئیسِ اوّل کو " رئیس المدینۃ الفاضلۃ کا نام دیا گیا ہے ۔ یعنی اعلیٰ ترین اور ترقی یافتہ معاشرے کا قائد۔ یہ کتاب میرے پیشِ نظر تو نہیں ہے لیکن ڈاکٹر ابراہیم مذکور نے اپنی کتاب " الفلسفۃ الاسلامیہ" میں اس کے اقتباسات نقل کیے ہیں ۔ ایک جگہ رئیس الاوّل کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فارابی لکھتے ہیں:-

" اعلیٰ ترین اور صالح معاشرہ کے رئیس اوّل کے لیے ضروری ہے کہ وہ (۱) جسمانی طور پہ تندرست ہو اور اس کے اعضائے بدن مکمل اور مضبوط ہوں ۔ (۲) اس کی سوچ اور فکر صحیح (جید) ہو ۔ اعلیٰ ترین ذہانت اور فہم رکھتا ہو ۔ (۳) اس کی قوت حافظہ قوی اور تیز ہو (۴) خوبصورت اور موثر ترین الفاظ پر قدرت رکھتا ہو اور علم کو پسند کرتا ہو ۔ (۵) سچائی امانت ، انصاف ، عزیمت اور قناعت کا مالک ہو اور نفسانی خواہشات سے اجتناب کرتا ہو"[1]

حسین بن عبداللہ بوعلی ابن سینا المتوفی ۴۲۷ھ

ابن سینا ارسطو اور فارابی کے ممتاز شارح ہیں ۔ فارابی کے تو بہ خلیفہ شمار کیے جاتے ہیں ۔ اپنی کتاب " الاشارات " اور دوسری کتاب " اثبات النبوات " میں انہوں نے ضرورت نبوت پر بحث کی ہے لیکن اُن کے خیالات کو شہرستانی رح نے بہترین ترتیب کے ساتھ نقل کیا ہے ۔ اُن خیالات کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضروریات تک میں اجتماعیت اور دوسرے انسانوں کے ساتھ مشارکت کا محتاج ہے ۔ (۲) اجتماعی زندگی اور مشارکت باہمی لین دین اور معاملات کے بغیر سرے سے ممکن ہی نہیں ہے ۔ (۳) اس کے لیے قانون بتانے والے اور انصاف قائم کرنے والے کا ہونا ضروری ہے ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انسان ہو (۴) یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ لوگوں کو اُن کی عقل کے حوالے کر دیا جائے کہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں اور ہر ایک اپنے فائدے کی بات کو انصاف اور ذاتی نقصان کی بات کو ظلم کہنے لگے ۔ (۵) انسانیت کے

---

۱ المدینۃ الفاضلۃ ص ۵۹ - ۶۰ بحوالہ الفلسفۃ الاسلامیہ ص ۷ طبع مصر ۱۹۶۸ء

لیے ایسے انسان کی ضرورت آنکھوں کی پلکوں اور ابرو کے بالوں کی ضرورت سے بھی زیادہ ہے یہ کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ خدا کی ازلی مہربانی یہ جسمانی ضروریات تو پوری کرتی ہو لیکن یہ بنیادی ضرورت (معلم قانون کی ضرورت) پوری نہ کرتی ہو۔

پس نبی کی بہرصورت ضرورت ہے۔ ایسا نبی جو:۔

دلائل و معجزات کی بنا پر باقی انسانوں سے ممتاز ہو۔ جو توحید کی دعوت دیتا ہو۔ شرک سے روکتا ہو۔ قوانین و احکام کا نفاذ کرتا ہو۔ اچھے اخلاق کی تعلیم و ترغیب دیتا ہو۔ بغض و حسد سے منع کرتا ہو اور فکرِ آخرت کی ترغیب دلاتا ہو۔"[١]

امام غزالیؒ المتوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:۔

فحاجة الخلق الی الانبیاء کحاجتهم الی الاطباء ولکن یعرف صدق الطبیب بالتجربة ویعرف صدق النبی بالمعجزة[٢]

ترجمہ:۔ مخلوق انبیاء کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح کہ طبیبوں (ڈاکٹروں) کی محتاج ہے۔ طبیب کی سچائی تجربے سے معلوم ہوتی ہے اور نبی کی سچائی اس کے معجزے سے معلوم ہوتی ہے۔"

ڈارون ازم اور مارکسزم والوں کی بات تو دوسری ہے لیکن بالغ النظر فلاسفہ کے نزدیک اصل انسانیت روح کا نام ہے۔ امام رازیؒ نے اپنی کتاب بعنوان "کتاب النفس والروح" میں اس حقیقت پر چھ عقلی اور دس نقلی دلائل قائم کئے ہیں۔[٣]

طبیب جسمانی امراض کا علاج کرتے ہیں اور انبیاء روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ اگر نیم حکیم خطرۂ جان ہے تو عقل کا نیم ملّا خطرۂ ایمان ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو جسمانی بیماریوں کے لیے تو اپنے آپ کو طبیبوں کا محتاج سمجھتا ہے لیکن روحانی امراض کے علاج کے لیے نبوت سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ بیٹھا ہے۔

---

[١] الملل والنحل ص ١٩٩، ٢٠٠ جلد ٢ طبع مصر ١٩٤٨ء۔

[٢] احیاء العلوم ص ٨٥ جلد ١ کتاب العقائد فصل ثالث۔

[٣] کتاب النفس والروح ص ٣٠ تا ٤٩ طبع پاکستان ١٩٦٨ء۔

امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں "کہ ضرورت نبوت کا منکر شخص خدا کی معرفت سے محروم ہوتا ہے۔"[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ

حافظ ابن تیمیہؒ آٹھویں صدی کے مجدد تھے اور صحیح معنوں میں اسلامی فلسفی بھی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول" میں ضرورتِ نبوت کو اسی طرز پہ واضح کیا ہے جس طرز پر امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے۔[2]

فتاوی ابن تیمیہؒ میں اس موضوع پر طویل بحث ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

والرسالة روح العالم ونوره وحياته فأى صلاح للعالم اذا عدم الروح والحياة والنور والدنيا مظلمة ملعونة الا اذا طلعت عليه شمس الرسالة[3]۔

ترجمہ:- رسالت اس دنیا کی رُوح ہے، روشنی ہے اور زندگی ہے۔ اس جہان کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے جب کہ اس کی رُوح (جان) نہ ہو۔ روشنی نہ ہو اور زندگی نہ ہو۔ یہ دنیا رسالت کے سورج کے بغیر تاریک بھی ہے اور ملعون بھی ہے۔"

حافظ ابن قیمؒ المتوفی ۷۵۱ھ

ابن قیمؒ حافظ ابن تیمیہؒ کے شاگرد خاص اور اُن کے خلیفہ شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے حقیقتِ نبوت اور ضرورتِ نبوت پر زاد المعاد، مدارج السالکین اور دیگر کتابوں میں بہترین بحث کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

فالضرورة اليهم اعظم من ضرورة البدن الى روحه والعين الى نورها[4]۔

---

[1] تفسیر کبیر ص ۳، جلد ۱۳ الانعام طبع مصر ۱۹۳۸ء

[2] بحاشیہ منہاج السنۃ ص ۹، جلد ۱ طبع مصر ۱۳۲۱ھ

[3] فتاوی ابن تیمیہ ص ۹۳ جلد ۱۹ طبع ریاض ۱۳۸۲ھ

[4] زاد المعاد ص ۲۸ جلد ۱ طبع مصر ۱۹۷۰ء

ترجمہ۔ انبیاء کی ضرورت اس ضرورت سے بہت زیادہ ہے جو جسم کو روح اور آنکھ کو روشنی کی ہے"۔

علامہ ابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ منکرین نبوت کی تردید کرتے ہوئے بہترین منطقی انداز میں لکھتے ہیں:-

"نبوت کی ضرورت کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جس طرح عقلِ انسانی ماہر طبیب کی راہنمائی کے بغیر مفید اور مُضر دواؤں میں فرق نہیں کرسکتی اسی طرح عقل انسانی آخرت کی زندگی میں مفید اور مُضر افعال میں فرق نہیں کرسکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دُنیوی اُمور میں بھی عقلِ انسانی سب چیزوں کا حسن و قبح معلوم کرنے کی مستقل قوت نہیں رکھتی

تیسری دلیل یہ ہے کہ انسانی فکر اور سوچ میں تفاوت ہے اس لیے انسان کو اس کے سپرد کرنے سے باہمی فتنہ و فساد تک نوبت پہنچ سکتی ہے"[1]

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ

مجدد الف ثانی کے دور میں اکبر کی کفریات کا زور تھا نبوت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے جا رہے تھے۔ موقع پرست سیاستدانوں، درباری مولویوں اور نفس پرست پیروں نے اکبر کو نبوت کے اختیارات دے دیے تھے۔ اس فتنے کی تردید میں حضرت مجددؒ نے مکتوبات کے علاوہ عربی زبان میں "اثبات النبوۃ" کے نام سے مستقل رسالہ بھی لکھا تھا۔ حضرت نے نبوت کی حقیقت اور ضرورت کو محققانہ لیکن عاشقانہ انداز میں واضح کیا ہے۔

مکتوبات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"ہماری عقل تو اُن برگزیدہ بندوں کی روشنی کے بغیر بے کار ہے اور ہماری سوچ تو ان کی تقلید کے بغیر ذلیل و خوار ہے۔ عقل اگرچہ حجت ہے لیکن نامکمل اور نابالغ ہے۔ حُجتِ بالغہ تو صرف انبیاء کی نبوت ہے"[2]

[1] المسایرہ ص ۱۲۰-۱۲۱ طبع مصر ۱۹۲۹ء
[2] مکتوبات دفتر اوّل مکتوب ۲۵۹

حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اوّل میں مبحث ششم کا پہلا باب نبوت اور مذہبی راہنماؤں کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے مخصوص کیا ہے۔ بحث اور باب کا عنوان یہ ہے:۔

المبحث السادس مبحث السیاسات الملّیہ۔

باب الحاجۃ الی ھُداۃ السُّبُل ومقیمی المِلَل

بحث ششم ملّی اور دینی سیاسیات کے بیان میں ہے اور اس کا پہلا باب دینی راہنماؤں اور مذاہب کے قائم کرنے والوں کی ضرورت ثابت کرنے پر مشتمل ہے۔ میں اس باب کا مختصر ترین خلاصہ اپنے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

۱۔ عقل سلیم اگرچہ بھلائی اور بُرائی میں تمیز کرنے کی استعداد تو رکھتی ہے۔ لیکن لبا اوقات اسے خواہشات اور غفلت کے پردے گھیر لیتے ہیں اور اس کا وجدان صفراوی مریض کی طرح بگڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ مفید اور مضر میں فرق نہیں کر سکتی۔ فیحتاجون الی عالِم بالسنۃ الراشدۃ بیّوسُسھم۔ اس لیے ایسے لوگ اس عالم کے محتاج ہوتے ہیں جو دانائی و سچائی اور رشد و ہدایت کے قوانین جانتا ہو اور لوگوں کی سیاست و اصلاح اور انتظام کرتا ہو۔

۲۔ بعض لوگ ایسی فاسد عقل اور بگڑی ہوئی رائے رکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ بھلائی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ پس قوم کی اصلاح ایسے لوگوں کے فاسد خیالات کو مٹائے بغیر نہیں ہو سکتی۔

۳۔ بعض لوگ خام اور کم عقل کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ کچھ حقائق کو تو پا لیتے ہیں لیکن بہت سے ضروری حقائق اُن کی نظر سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو کامل سمجھ کر اس خام خیالی اور خود فریبی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہمیں کسی ہادی اور مربّی کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی اصلاح اور تنبیہ کے لیے ایسے عالم کی ضرورت ہوتی ہے جو حقیقی علم رکھتا ہو اور غلطیوں سے محفوظ ہو۔

۴۔ صرف ایک شہر یا علاقے میں رہنے والے بھی معاشی سمجھ بوجھ اور تمدنی اصلاحات و انتظامات کا کچھ نہ کچھ علم رکھنے کے باوجود ایسے شخص کے محتاج ہوتے ہیں جو تمدنی اصلاحات میں کامل مہارت رکھتا ہو اور اُن کی سیاست شائستگی کے ساتھ چلا سکتا ہو تو پھر ایک ایسی عظیم قوم کے بارے میں

تمہارا کیا خیال ہے جو مختلف خیالات وجذبات کے لوگوں پر مشتمل ہو کر آیا وہ اپنے بل بوتے پر ایسا نظام معلوم کرسکتی ہو؟

۵۔ ایسے نظام کی رہنمائی وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کی فطرت خواہشات سے پاک ہو اور وہ اعلیٰ درجے کے انسان ہوں۔

۶۔ جب صنعت وحرفت کی مہارت ماہرین کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی تو بلند ترین مقاصد اور اعلیٰ ترین نظام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جسے خدا کے برگزیدہ بندوں کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"[1]

علامہ سید جمال الدین افغانیؒ۔

۱۸۷۰ء میں قسطنطنیہ کے "دار الفنون" کے ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے علامہ جمال الدینؒ نے نبوت کی ضرورت اور فلسفہ و نبوت کا فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"جسم کی زندگی رُوح کے بغیر ممکن نہیں اور معاشرے کی رُوح نبوت ہے یا پھر فلسفہ ہے۔ نبی اور فلسفی کا معاشرے سے وہی تعلق ہے جو روح کا جسم سے ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبوت خدا کی رحمت سے ملتی ہے جس کو محنت وریاضت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور فلسفہ بحث اور غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا بڑا اور اہم ترین فرق یہ ہے کہ نبی غلطیوں سے معصوم ہوتا ہے لیکن فلسفی غلطیوں کا شکار ہوسکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔"[2]

شیخ محمد عبدہ۔

علامہ جمال الدین افغانیؒ کے شاگردِ خاص شیخ محمد عبدہٗ نے "رسالۃ التوحید" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں نبوت کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے وہی استدلال پیش کیا ہے جو ابن سینا نے قائم کیا تھا۔ شیخ موصوف نے ابن سینا کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ آخر میں لکھتے ہیں:۔

"تکمیل انسانیت کے لیے نبوت کی اشد ضرورت ہے۔ نوعِ انسانی میں انبیاء کا وہی درجہ ہے جو

---

[1] حجۃ اللہ ص ۲۰۴ جلد ۱ طبع رحیمیہ دیوبند۔

[2] مشاہیر الشرق ص ۵۴ جلد ۲ بحوالہ فلسفۃ الاسلامیہ ص ۱۱۱۔

جسدِ انسانی میں عقل کا درجہ ہے۔ حقیقت میں نبوت انسانیت کے لیے خدا کا بہت بڑا عطیہ ہے۔[1]

شیخ محمد عبدہٗ کے شاگرد علامہ سید رشید رضاؒ نے "الوحی المحمدیؐ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں علامہ موصوف نے حقیقتِ نبوت اور ضرورتِ نبوت کے علاوہ فلسفہ و نبوت کے فرق کو بہترین اور دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم۔

اقبالؒ دورِ جدید کے اعلیٰ ترین اسلامی فلسفی ہیں اس مضمون کو اُن کے چند اشعار پر ختم کرنا مناسب ہے:۔

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید — وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
حرفِ بے صوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرعِ موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزار ما یک است — جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است
فرد از حق ملت از وے زندہ است — از شعاعِ مہرِ او تابندہ است
از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما[2]

---

[1] رسالۃ التوحید ص ۴۳، بحوالہ الفلسفۃ الاسلامیہ ص ۱۱۷

[2] رموزِ بے خودی رکن دوم رسالت۔

تعزیراتِ اسلام

جناب مولانا قاضی بشیر احمد صاحب ۔ باغ ۔ آزاد کشمیر

(۹)

نوٹ: اس مضمون کی سابق قسط جون ۱۹۷۸ء (رجب ۱۳۹۸ھ) کے شمارے میں شائع ہوئی

تنبیہ ۵ ۔ دار الحرب میں قتل موجب قصاص نہ ہوگا ۔

۱ ۔ اگر دار الحرب کے اندر کوئی حربی مسلمان ہو جائے، پھر اس کو کوئی مسلمان دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنے سے قبل قتل کر دے تو قاتل پہ کوئی چیز عائد نہ ہوگی، الّا یہ کہ خطاءً قتل کی صورت میں اس پہ کفارہ عائد ہوگا۔[۱]

۲ ۔ اگر قاتل اور مقتول دونوں دار الاسلام سے دار الحرب کے اندر امان لے کر گئے تھے اور وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو قصاص ساقط ہوگا ۔ البتہ عمداً قتل کرنے کی صورت میں قاتل پہ دیت عائد ہوگی جو اپنے مال سے ادا کرے گا۔[۲]

۳ ۔ اگر دونوں مسلمان دار الحرب کے اندر قید ہو گئے ہوں اور اسی دوران اگر ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو قاتل پہ کوئی چیز عائد نہ ہوگی، البتہ خطاءً قتل کرنے کی صورت میں قاتل پہ کفارہ

---

[۱] احکام القرآن ص ۲۴۱ جلد ۲

[۲] ایضاً نیز البدائع ص ۱۳۱، ۱۳۳، ۲۳۷، جلد ۷، مطبوعہ بیروت ۔

عائد ہوگا۔[1]

درحقیقت دار الحرب کے اندر مسلمان کے قتل میں فقہاء کا اختلاف ہے اور مذکورہ صورتیں حنفی مسلک کے مطابق ہیں۔ پھر علماء احناف میں تیسری صورت میں اختلاف ہے اور مذکورہ تیسری صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں دیت واجب ہے، خواہ قتل عمداً ہو یا خطاءً۔[2]

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قیدیوں کی قید ایک عارضی چیز ہے لہٰذا ان کا حکم مستأمن کا ہوگا جو دار الاسلام سے دار الحرب میں امان لے کر جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب وہ قید ہوگئے تو اہلِ حرب کی قوت و شوکت کے تحت داخل ہو گئے لہٰذا اب یہ اُن کے تابع شمار ہوں گے اس لیے ان کا حکم مستأمن کا نہیں ہے۔[3]

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر دار الحرب میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر دے درآنحالیکہ قاتل کو مقتول کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو، تو قاتل پر کوئی چیز سوائے کفارہ کے عائد نہ ہوگی۔ اگر مسلمان قاتل دوسرے مسلمان کو اس کو مسلمان جانتے ہوئے قتل کر دے تو قاتل پر قصاص عائد ہوگا خواہ مسلمان قیدی ہو یا مستأمن یا دار الحرب میں اسلام قبول کرنے والا۔[4]

امام ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ شوافعؒ کا موقف صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّکُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ" اس آیت میں مومن سے مراد یا تو وہ حربی شخص ہے جو دار الحرب میں مسلمان ہوا ہو مگر ہجرت سے قبل قتل ہو گیا ہو۔ جیسا کہ حنفیہؒ فرماتے ہیں یا اس سے مُراد وہ شخص ہے جس کے اقرباء اہلِ حرب سے ہوں۔ آیت میں دونوں معنی متحمل ہیں۔ لیکن جب سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ اگر دار الاسلام کے اندر ایسا مسلمان قتل ہو جائے جس کے اقرباء اہل حرب سے ہوں تو اس کے بارے میں دیت یا قصاص ساقط نہ ہوگا (اور دیت

---

[1] البدائع ص ۱۳۱، ۱۳۳، ۲۳۷ ج ۷ مطبوعہ بیروت۔

[2] احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۱ ج ۲

[3] البدائع ص ۱۳۳ ج ۷ [4] ایضاً

بیت المال میں داخل کی جائے گی ۔ لیکن مذکورہ آیت کے اندر جس مسلمان کا ذکر ہے اس کے قتل پر صرف کفارہ ہے، تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد وہی مسلمان ہے جس نے دار الحرب کے اندر اسلام قبول کیا ہو اور ہجرت سے قبل قتل کیا گیا ہو اگر اس پر دیت عائد کریں تو یہ نص کے اندر زیادتی ہو گی جو حرام ہے [1]

نیز یہ کہ یہ مسلمان چونکہ دار الحرب میں مقیم رہا اس لیے دین کے اعتبار سے اگرچہ اہل حرب میں شامل نہیں ہے۔ لیکن دار کے اعتبار سے شامل ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ " مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم " یعنی جو کسی قوم کی کثرت میں اضافہ کرے وہ اسی میں شمار ہو گا۔" لہٰذا ایسے مسلمان کی عصمت میں شبہ واقع ہو گیا اور شبہ سے قصاص ساقط ہو گا۔[2] اس لیے احناف دار الحرب کے اندر اسلام قبول کر کے ہجرت نہ کرنے والے کے قتل پر دیت یا قصاص کی سزا عائد نہیں کرتے ۔ اس موقف کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

۱۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جو مشرکین کے ساتھ کھڑا ہو وہ عہد سے بری ہے" (یعنی اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے) آگے راوی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو مسلمان ہوا پھر مشرکین کے ساتھ رہا۔ اگر یہ شخص مارا جائے تو اس کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے [3]

۲۔ عقبہ بن مالک اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کو (جہاد پر) روانہ فرمایا تو اس نے ایک قوم پر حملہ کیا اور اس قوم کا ایک مرد جدا ہو کر بھاگنے لگا جس کے تعاقب میں سریہ کا ایک آدمی تلوار کھینچی ہوئی دوڑا ۔ آگے سے اس آدمی نے کہا کہ میں مسلمان ہوں مگر حملہ آور شخص نے اس کے اس قول کے باوجود اس کو قتل کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جب یہ بات پہنچی تو آپؐ نے انتہائی سخت الفاظ میں ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اس پر قاتل نے کہا کہ اس نے

---

[1] احکام القرآن ص ۲۴۲ جلد ۲

[2] البدائع ص ۲۳۷ جلد ۷

[3] احکام القرآن ص ۲۴۲ جلد ۲

ڈر کے مارے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ مگر اس پر بھی آپؐ نے کئی بار چہرے کو دوسری جانب پھیر لیا۔ اور آپؐ کے چہرہ مبارک پر ناراضی کے آثار نمایاں تھے اور آپؐ نے تین بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ میں مومن کو قتل کروں[1]۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے مومن ہونے کی خبر تو دی، مگر قاتل پر دِیت عائد نہیں کی اس کی بظاہر یہی وجہ ہے کہ مقتول نے اسلام کے بعد ہجرت نہیں کی تھی[△]

۳۔ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں ہم کو بھیجا تو ہم نے جہاد میں بھاگتے ہوئے ایک شخص کو پکڑا تو اس نے جلدی سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا، مگر ہم نے اس کے باوجود اس کو قتل کر دیا کہ یہ ڈر کے مارے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ پھر جب ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپؐ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تم نے اس شخص کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا کہ وہ ڈر کے مارے کلمہ پڑھ رہا ہے[2]۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ دار الحرب میں مسلمان ہونے کے بعد ہجرت سے قبل اگر اس مسلمان کو قتل کیا جائے تو قاتل پر دِیت یا قصاص عائد نہ ہوگا۔

تنشیح مسئلہ (الف)

عصمتِ دَم کے زوال کے اسباب

عصمت کا زوال دو طرح سے ہوگا:

۱۔ جب کہ سبب عصمت زائل ہو جائے۔

۲۔ یا ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جائے جو خون بہا کو مباح کر لیتے ہیں اور ان سے مراد وہ جرائم ہیں جن

---

[1] احکام القرآن ص ۲۴۲، ۲۴۳ - ۲۴۵ [2] ایضاً

△ آج کل کے حالات میں موجودہ دار الکفر اور دار الحرب کا فرق واضح کرنا بھی ضروری ہے، نیز مندرجہ حدیث مبارکہ کو یہ امر ذہن میں رکھ کر منطبق کرنا چاہیے کہ آج کہیں ایسا دار الاسلام موجود نہیں ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنی طرف ہجرت کی دعوت دے، یا جو لوگ مختلف علاقوں سے جس تعداد میں ہجرت کر کے آئیں ان سب کے لیے مسکن اور معاش کی ذمہ داری لے سکے۔ (ن۔ ص)

کی سزا قتلِ نفس یا قطعِ اعضاء متعین ہے اور اس طرح کے جرائم مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ محصنین کا زنا کرنا۔

۲۔ قطع الطریق۔

۳۔ قتل یا قطع، عمداً کرنا۔

۴۔ بغاوت۔

۵۔ سرقہ۔

شریعت اسلامیہ میں عصمت دم (یعنی خون کی حفاظت) دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک ایمان کے ذریعے سے اور دوسری امان کے ذریعے سے۔ یعنی جو شخص کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کا مال اور نفس محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

" اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ "[۱]

"یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں تا وقتیکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ (تعالیٰ) کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان کے خون اور اموال محفوظ ہوں گے، سوائے حق شرعی کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔"

عصمت کی اس صورت میں تمام مسلمان داخل ہو گئے اور عصمت کی دوسری قسم یعنی امان کے تحت اسلامی حکومت میں رہنے والے سب غیر مسلم داخل ہیں۔ کیونکہ ان سے اسلامی حکومت کا عہد و پیمان ہوتا ہے جس کے بعد ان کی جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ

[۱] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔ (سورہ مائدہ آیت: ۱)

"یعنی اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو"

۲۔ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ (النحل: ۹)

"یعنی اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم عہد کر چکو"۔

۳۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ۔ (الانفال: ۶۱)

"یعنی جب وہ صلح کے لیے بازو پھیلائیں تو تم بھی پھیلاؤ"۔

۴۔ فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ (التوبہ: ۴)

"یعنی ان کے ساتھ عہد کو مدتِ عہد تک پورا کرو"۔

عصمت کی یہ قسم وقتی اور دائمی امان حاصل کرنے والوں (جیسے ذمی) سب کو شامل ہے۔ البتہ ذمی کی عصمت چونکہ دائمی ہے اس لیے اس کے قتل پر قصاص واجب ہوگا اور عارضی عصمت والوں کے قتل پر تعزیری سزا دی جائے گی، لیکن قصاص نافذ نہ ہوگا اور عصمت کا ازالہ بھی ان دونوں اقسام کے ازالہ سے ہوگا۔ لہٰذا اسلام سے خروج کرنے سے عصمت زائل ہو جائے گی اور ذمی اور مستامن اور معاہدہ کی عصمت عہد کے بعد ختم ہو جائے گی اور اسی طرح نقض عہد سے بھی عصمت زائل ہو جائے گی اور اب ان کا حکم حربی کا حکم ہوگا۔

تشریح مطلب:۔

غیر معصوم الدم اشخاص۔

مندرجہ ذیل افراد کا دَم (یعنی خون) معصوم نہیں ہے۔

۱۔ حربی۔

۲۔ مرتد۔

۳۔ زانی محصن (شادی شدہ زانی مسلمان)

۴۔ قاطع الطریق۔

۵۔ باغی۔

۶۔ جس پر قصاص واجب ہو (قصاصِ نفس اور مادون النفس یعنی نفس سے کم دونوں اقسام کو شامل ہے)۔

۷۔ سارق △

تشریح مـ۶ـ ج

مذکورہ بالا افراد کے ساتھ قانونی سلوک مندرجہ ذیل تشریح کے مطابق کیا جائے گا۔

۱۔ حربی۔ اگر حربی میدانِ جنگ میں یا غیر میدانِ جنگ میں، حق دفاع کے طور پر قتل کیا جائے تو قاتل پر کوئی چیز عائد نہ ہوگی البتہ اگر میدانِ جنگ کے علاوہ کوئی اس کو ظلماً قتل کر دے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی

۲۔ مرتد۔ مرتد سے مُراد وہ شخص ہے جو دینِ اسلام سے پھر جائے۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ:۔

(الف) حاکم مجاز اس کو تین دن تک غور کرنے کے لیے مہلت دے پھر اُس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اسلام قبول نہ کرے تو قتل کیا جائے گا[۱]

تین دن کی مہلت دینا شوافع کے نزدیک واجب ہے۔ جب کہ احناف کے نزدیک واجب نہیں ہے[۲]

(ب) اگر اسلام پیش کرنے سے قبل اُس کو کوئی قتل کر دے تو قاتل پر کوئی چیز عائد نہ ہوگی۔ اِلّا یہ کہ حاکمِ مجاز کی اجازت کے بغیر قتل کرنا موجب تعزیر ہوگا۔[۳]

(ج) عورت مرتدہ کو قید میں ڈال جائے گا اور قبول اسلام پر اُس کو مجبور کیا جائے گا۔ اگر اسلام قبول نہ کرے تو قید میں ہی رہے گی تا وقتیکہ اسلام قبول کرے یا مر جائے[۴] مرتد عورت کے

---

[۱] مَن بَدّل دینَہ فَاقتُلوہ رواہ البخاری عن ابن عباس وھدایہ ص ۶۰۰ ج ۲۔

[۲] ھدایہ ص ۶۰۰ ج ۲ [۳] ایضاً حاشیہ ۱۱ [۴] ایضاً۔

△ یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ جسے چاہے سارق یا باغی یا زانی قرار دے کر اُس کا خون بہا دے، بلکہ یہ معاملات عدالت کے فیصلے پر منحصر ہیں اور قانون کی یہ ساری بحثیں عدالت ہی سے متعلق ہیں (ن ر ص)

بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ مذکورہ حکم امام ابوحنیفہؒ کا ہے، جب کہ امام شافعیؒ عورت کو بھی ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ دلیل میں فرماتے ہیں کہ حدیث "مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ" عام ہے جو مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔ نیز یہ کہ جب مرد کے اندر مباح الدم ہونے کی علت کفر ہے تو یہ علت عورت کے اندر بھی پائی جاتی ہے لہٰذا اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔[1]

احناف فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لا تقتلوا امرأۃً ولا ولیداً"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور بچے کو قتل کرنا ممنوع ہے۔ لہٰذا عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ نیز یہ کہ بنیادی اصول یہ ہے کہ برائی کے بدلے کے لیے درحقیقت آخرت کا گھر ہے۔ دنیا میں کسی جرم پر جو سزا دی جائے گی۔ یہ دراصل ان مصالح کی بناء پر دی جاتی ہے جن کے فوائد ہماری طرف عود کر آتے ہیں، جیسے قصاص، حدِ قذف، حدِ شربِ خمر، اور حدِ سرقہ میں دی جانے والی سزاؤں کے منافع ہم سب کو پہنچتے ہیں۔ ہمارے اموال اور ہماری عزتیں محفوظ ہو جاتی ہیں اسی طرح ارتداد سے جو قتل واجب ہوتا ہے تو یہ کفر کی جزاء کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ دفعِ شر کے طور پر ہوتا ہے۔ یعنی یہ شخص فساد فی الارض کا باعث ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے جنگ و قتال پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کام کی صلاحیت چونکہ مرد کے اندر ہوتی ہے اس لیے اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ اور عورت میں جنگ و قتال کی صلاحیت مرد جیسی نہیں ہوتی اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید میں ڈالا جائے گا، تاوقتیکہ اسلام قبول کرلے یا مر جائے۔ البتہ اگر کوئی عورت مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی اور منصوبے تیار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو تو اس کو تعزیری طور پر قتل کیا جائے گا[2] اور حدیث مذکورہ میں دوسری حدیث سے تخصیص ہو چکی ہے۔

۳۔ (و) زانی محصن۔

زانی محصن کو قتل کرنے سے قاتل پر کوئی چیز عائد نہ ہوگی، اس لیے کہ زنا کرنے سے زانی معصوم

---

[1] ہدایہ ص ۶۰۰ ج ۲ والبدائع ص ۱۳۵ ج ، باب احکام المرتدین [2] ایضاً

نہیں رہا تھا۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔
البتہ حاکم مجاز کے حکم کے بغیر قتل کرنا موجب تعزیر ہوگا۔
(ب) زانی غیر محصن۔
زانی غیر محصن کو قتل کرنا موجب قصاص ہوگا، کیونکہ زانی غیر محصن کی سزا قتل نہیں ہے[1]۔
(ج) حالتِ زنا میں قتل۔
زنا کرنے کی حالت میں زانی کو قتل کرنا موجبِ قصاص نہ ہوگا۔ خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن۔ یہی حکم لواطت کا بھی ہے۔ البتہ قاتل کے حق میں ان کا قتل کرنا اس وقت مباح ہوگا۔ جب کہ وہ چیخ و پکار کرکے منع کرنے سے باز نہ آئیں[2]۔
چنانچہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن صبح کا کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا جس کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی۔ اس آدمی کے پیچھے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ہمارے شخص کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس آدمی سے دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے اپنی بیوی کی رانوں کے درمیان تلوار ماری ہے۔ اگر وہاں کوئی آدمی ہوا تو میں نے اُس کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ آدمی کیا کہہ رہا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس شخص نے تلوار ماری جس سے اس کی بیوی کی رانیں کٹ گئیں اور ہمارے آدمی کو کمر میں ضرب لگی جس سے وہ دو ٹکڑے ہوگیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتل سے فرمایا کہ اگر وہ دوبارہ ایسے فعل کا ارتکاب کریں تو تو بھی اسی طرح کر[3]۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ حالتِ تلبس یعنی حالت زنا کے دوران قتل کرنا موجب سزا نہیں ہے۔

---

[1] الدر المختار ص ۳۷۱ جلد ۵ [2] ایضاً

[3] المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر ص ۳۵۳ ج ۱۰ مدینہ منورہ۔

(د) زانی کے قتل میں ضروری نہیں کہ اُس کو بیوی کے ساتھ زنا کرتے دیکھے تو اس صورت میں اس کو قتل کرنا جائز ہوگا بلکہ اجنبی عورت کے ساتھ بھی زنا کی حالت میں، زانی کا قتل مباح ہوگا۔[۱]

درحقیقت اس طرح کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا ہے۔ اس میں کسی عورت کی تخصیص نہیں ہے۔[۲]

(ھ) زنا اور لواطت میں مفعول اگر مجبور ہو تو اس کو قتل کرنا موجب قصاص ہوگا ورنہ نہیں۔[۳]

۴۔ قاطع الطریق:۔ اس سے متعلقہ احکام حصہ دوم میں گذر چکے ہیں۔

۵۔ باغی۔

باغی کی تعریف۔

ا۔ اگر مسلمانوں کی کوئی بڑی اور طاقت والی جماعت مسلمانوں کے برحق امام کے خلاف خروج کرکے اس کی اطاعت سے بغیر کسی سبب شرعی سے نکل جاتے تو کہا جائے گا کہ یہ باغی جماعت ہے۔ اور باغی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے پاس بغاوت کرنے کی کوئی تاویل ہو۔[۴]

ب۔ اگر وہ بغیر کسی تاویل کے ملک میں فساد برپا کرتے پھریں تو ان کا حکم قاطع الطریق کا ہوگا۔

باغیوں کی سرکوبی

ج۔ (۱)۔ امام الوقت کو باغیوں کے اجتماع اور جتھا بنانے سے قبل اگر ان کی تیاری کا علم ہو جائے تو امام کے لیے ضروری ہے کہ اُن کا اسلحہ چھین لے اور اُن کو توبہ کرنے تک قید رکھے مگر اس صورت میں ان سے جنگ کرنے کی ابتدا نہ کرے۔[۵]

(۲) اگر وہ اجتماع اور جتھہ بندی کر چکے تھے کہ امام کو اطلاع ملی تو ایسی صورت میں ان سے

---

[۱] الدر المختار مع رد المحتار ص ۳۷۱ جلد ۵ بولاق مصر۔
[۲] ایضاً والمغنی ص ۳۵۳ جلد ۱۰ [۳] ایضاً
[۴] ملخصاً رد المحتار ص ۳۱۸ باب البغاۃ جلد ۳ والبدائع ص ۱۴۰ و ۱۴۱ جلد ۷
[۵] البدائع ص ۱۴۰ جلد ۷۔

قتال کی ابتداء جائز ہوگی البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے ان کے شبہات کو دور کیا جائے اور ان کو توبہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جائے اگر باز نہ آئیں تو ان سے قتال کیا جائے [1]

۵۔ باغیوں کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

باغیوں کے اموال کو ان کی توبہ کرنے تک روکا جائے گا اور توبہ کے بعد ان کو واپس کیا جائے گا اور ان کے اسلحہ سے بوقت ضرورت استفادہ جائز ہوگا۔[2]

۵۔ باغیوں کا آپس میں قتل کرنا موجب قصاص نہ ہوگا [3]

۶۔ جن باغیوں پر قصاص واجب ہوتا ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۷۔ سارق۔

سارق کا جو عضو قطع میں مطلوب ہو اگر اسی عضو کو کوئی شخص حاکم مجاز کے فیصلے سے قبل قطع کر دے تو قاطع پر عمد کی صورت میں قصاص اور خطا کی صورت میں دیت کی سزا نافذ ہوگی۔ البتہ اگر اسی عضو کو فیصلہ قطع کے بعد کوئی قطع کر دے تو قاطع پر کوئی چیز عائد نہ ہوگی [4] البتہ حاکم مجاز کے حکم کے بغیر قطع کرنا موجب تعزیر ہوگا۔

---

[1] ہدایہ ص ۶۰۸ جلد ۲ باب البغاۃ۔

[2] الدر المختار ص ۳۲۱ جلد ۳۔

[3] رد المحتار ص ۳۲۱ جلد ۳۔

[4] رد المحتار ص ۲۱۴ جلد ۳۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے خلاف الزامات

(عائد کردہ شہنشاہ جہانگیر)

جناب ابصار عالم (سندھ یونیورسٹی جام پورہ)

(۲)

جہانگیر اپنے عاید کردہ الزام و اتہام کے لیے بطور ثبوت حضرت مجدد کے ایک خط کی عبارت پر یوں اعتراض اُٹھاتا ہے کہ:

"مقاماتِ سلوک طے کرتے ہوئے وہ (یعنی حضرت مجددؒ) مقام ذی النورین میں پہنچا جو نہایت عالی شان اور پاکیزہ تھا۔ وہاں سے گذر کر مقامِ فاروقؓ اور مقامِ فاروقؓ سے گذر کر مقام صدیقؓ میں پہنچا۔ پھر وہاں سے گذر کر مقام محبوبیت میں پہنچا جو نہایت منور اور دلکش تھا۔ اس مقام میں اس پر مختلف روشنیوں اور رنگوں کے پرتو پڑتے رہے۔ گویا استغفراللہ بزعم خویش وہ خلفا کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا اور اُن سے عالی تر مقام پر فائز ہوا۔ اس نے اس طرح کی اور بھی بہت سی گستاخانہ باتیں (خلفاء کے شان میں) لکھی ہیں۔ جن کو تحریر کرنا طوالت اور خلفاء کی شان میں بے ادبی کا باعث ہوگا۔"

یہ اقتباس مذکورہ الزام کا ثبوت تو در کنار خود ایک الزام و اتہام کی نوعیت رکھتا ہے اور یہ الزام کہ شیخ احمد سرہندی نے خلفاء کی شان میں گستاخانہ باتیں لکھی ہیں اور اپنے آپ کو خلفاء سے افضل بتایا ہے اور اُن سے عالی مقام پر فائز ہوا، یہ مزید ایک الزام ہوا۔

قبل اس کے اس الزام پر کلام کیا جائے یہ مناسب ہوگا کہ "اس عبارت" کے سلسلے میں چند نہایت اہم اور قابلِ غور پہلو پیشِ نظر رکھے جائیں۔

جہانگیر نے اپنی "تزک" میں جس "عبارت" کا اقتباس پیش کیا ہے۔ یہ شیخ احمد سرہندی کے مکتوب یا نزدہم (۱۱) کی عبارت ہے۔ یہ خط شیخ احمد سرہندی نے اپنے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ کو تحریر کیا تھا اور خواجہ باقی باللہؒ سے شیخ احمد سرہندی ۱۵۹۹ء میں بیعت ہو گئے تھے اور خواجہ صاحب کا انتقال ۱۶۰۳ء میں بمطابق ۱۰۱۲ھ میں ہوا، یعنی آپ کے مرید ہونے کے بعد چار سال تک خواجہ صاحب بقید حیات رہے۔ اس اثنا میں تین بار شیخ احمد سرہندیؒ خواجہ صاحب کی پاس بہ نفس نفیس رشد و ہدایت و تربیت کے سلسلے میں دہلی میں مقیم رہے اور جب سرہند میں رہتے تھے تو خط کے ذریعہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے۔ اس طرح چار سال کے عرصہ میں شیخ احمد سرہندیؒ نے خواجہ صاحب کو کل بیس ۲۰ خطوط لکھے ہیں جو سب کے سب ایک ہی ترتیب میں جلد اول میں نمبر ۱ تا ۲۰ محفوظ ہیں۔ ان میں جس خط کی عبارت کو "تزک جہانگیری" میں جہانگیر نے نقل کیا ہے وہ ترتیب میں گیارھویں خط کی عبارت ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے یہ خط ۱۵۹۹ء اور ۱۶۰۳ء کے درمیان لکھا ہے اور چار سال کے اثناء میں آپؒ نے کل ۲۰ خطوط خواجہ باقی باللہؒ کو لکھے ہیں، یعنی اوسطاً سال میں پانچ خط۔ اس لیے یہ گیارھواں خط ۱۶۰۱ء کے آخر میں یا ۱۶۰۲ء کے ابتداء میں تحریر کیا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو بھی یہ خط بہر حال جہانگیر کی تخت نشینی سے تین یا چار سال پہلے لکھا گیا ہے کیونکہ جہانگیر ۱۶۰۵ء میں تخت نشین ہوتا ہے اس لیے اگر واقعی اس خط کی عبارت قابل گرفت تھی تو اس زمانہ میں تحریر کی گئی تھی جب جہانگیر حکمران نہیں ہوا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس خط سے عوام میں فی الواقعہ کوئی سورش پھیلی ہوئی تھی جیسا کہ جہانگیر نے لکھا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جہانگیر کے پیش رو والیٔ حکومت کے لیے بہترین موقع تھا کہ وہ اس کا نوٹس لیتا۔ یہ اکبر کا دور تھا اور اس معاملہ میں جہانگیر کو کوئی اختیار نہیں تھا۔ البتہ جہانگیر اس کو قابلِ اعتراض و گرفت سمجھتا تھا۔ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جہانگیر نے تخت نشینی کے فوراً بعد اس کا نوٹس کیوں نہ لیا۔ جب کہ بقول جہانگیر کے اس خط کے مندرجات سے لوگوں میں ہیجان بے چینی اور شورش پھیلی ہوئی تھی لیکن اس وقت ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ تخت نشینی کے ۱۴ سال بعد تک جہانگیر خاموش رہا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جہانگیر کے نزدیک ۱۴ سال تک یہ خط نہ قابلِ مواخذہ تھا اور نہ اس پر کبھی توجہ گئی۔

جہانگیر اپنے سن جلوس ۱۴ یعنی ۱۶۱۹ء میں اور متذکرہ خط لکھنے کے ۱۸ یا ۱۹ سال کے بعد شیخ احمد سرہندی

(حضرت مجدد الف ثانیؒ) کو دربار میں طلب کرتا ہے تو اس طویل خاموشی اور تاخیر سے متعدد سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں کہ اگر واقعی یہ عبارت خطرناک، گمراہ کن اور خلفاء کے شان میں گستاخی پر محمول تھی اور اس سے عوام میں ہیجان اور شورش پھیلی ہوئی تھی تو اتنے طویل عرصے تک جہانگیر کی خاموشی سمجھ میں نہیں آتی؟ پھر یکایک جہانگیر کا ۱۸ یا ۱۹ سال کی پُرانی تحریر پر حضرت شیخ احمد سرہندی کو دربار میں طلب کرنا اور قلعہ گوالیار میں قید کرنا کسی اور گمان کو تقویت پہنچاتا ہے۔

جہانگیر کے اقتباس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ:

شیخ احمد سرہندی (حضرت مجدد الف ثانیؒ) نے یہ تحریر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو اس وقت لکھی تھی جب وہ بقیدِ حیات تھے اور آپ زیرِ تربیت تھے۔ آپ پر جو کیفیت یا احوال گزرتے تھے اس سے اپنے پیرومرشد کو باخبر کرتے تھے تاکہ ان مسائل میں آپ کو صحیح رہنمائی و ہدایت مل سکے۔ یہ تھا اصل عبارت کا پس منظر۔ جب یہ خط لکھا گیا تھا تو اُس وقت اِس عبارت کو اس قسم کے غلط معنی نہیں پہنائے گئے۔ بعد میں جب خط کی عبارت پر اعتراضات کیے گئے اور شکوک و شبہات کو ہوا دی گئی اور مخالفین و معاندین نے عوام میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے رقیبانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کیا تو عوام اور خواص کی غلط فہمی کو دُور کرنے اور حقیقتِ حال سے روشناس کرنے کے لیے شیخ احمد سرہندیؒ اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں کہ "یہ بات اور دوسری باتیں جو اس عرضداشت میں واقع ہوتی ہیں ان واقعات میں سے ہیں جو اپنے پیرومرشد کی طرف لکھے گئے ہیں اور اس گروہ میں یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ جو کچھ ظاہر ہوتا ہے خواہ صحیح ہو یا غلط، بے تحاشا اپنے پیرومرشد کی طرف ظاہر کرتے رہیں"[لہ] شیخ احمد سرہندی کی یہ تحریر نہایت وضاحت سے اصل صورتِ حال کو پیش کر رہی ہے جہانگیر نے جس عبارت کا تذکرہ کیا ہے وہ کسی دعویٰ یا فخر و مباہات کے طور پر نہیں لکھا گیا بلکہ اس اثنا میں جب کہ آپ کے پیرومُرشد بقیدِ حیات تھے اور آپ سرہند میں مقیم تھے اور برابر اُن کی رہنمائی وہدایت طلب کر رہے تھے، آپ نے مذکورہ خط اپنی اس کیفیت اور حال سے مطلع کرنے کے لیے لکھا تھا تاکہ ہر حال میں آپ کو صحیح رہنمائی

لہ مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب نمبر ۱۹۲ ص ۲۱۷، مکتوب نمبر ۲۰۲ جلد اوّل میں مزید اس کی تشریح و وضاحت کرتے ہیں۔

حاصل ہو سکے۔

خلفاء کے شان میں گستاخانہ باتیں لکھنا جہانگیر کا یہ الزام کہ اپنے آپ کو خلفاء سے افضل سمجھتا ہے اور ان کی شان میں بہت سی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں۔ یہ بھی محض الزام اور بہتان ہے اس دعویٰ کے ثبوت میں جہانگیر نے نہ تو کوئی واقعہ پیش کیا ہے اور نہ ہی کوئی تحریر پیش کی ہے۔ البتہ شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۱۹۲ - ۲۰۲ - ۲۵۱ - ۲۶۶ جلد اول اور مکتوب نمبر ۱۵ - ۳۶ - ۶۷ - ۹۶ جلد دوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ کرام کی فضیلت و عظمت کے بارے میں نہایت ہی واشگاف اور غیر مبہم الفاظ میں قرآن اور سنتِ رسول اللہ علیہ وسلم اور احادیث کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔ نیز خلفائے راشدین کی اتباع کو لازمی قرار دیا ہے۔ اپنے مکتوب نمبر ۲۰۲ جلد اول میں تحریر کرتے ہیں کہ " وہ شخص جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہے اہل سنت و الجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنے آپ کو افضل جانے۔ اس گروہ میں تو یہ امر طے شدہ ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بہتر جانے تو وہ ان کمالات سے محروم ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ ایسا شخص بڑا ہی احمق ہے جو اجماع کے خلاف کرے[1]۔

اس طرح آپ نے اپنے مکتوبات میں نہایت ہی شرح و بسط سے واشگاف الفاظ میں بلا کسی ابہام کے خلفاء راشدین سے متعلق اپنے عقیدہ و مسلک کو پیش کیا ہے۔ کسی قسم کی غلط فہمی اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس واضح اعلان کے بعد بھی یہ کہنا اور سمجھنا کہ آپؒ اپنے آپ کو خلفائے راشدین سے افضل سمجھتے اور کہتے ہیں جہالت، دیدہ دلیری، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

جہانگیر نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ میں نے جتنے سوالات بھی کیے اُن میں سے کسی ایک کا بھی (شیخ احمد سرہندیؒ) جواب نہیں دے سکا، وہ بے عقل و کم فہم ہونے کے علاوہ مغرور اور خود پسند

---

[1] مکتوب ۲۰۲ جلد اول ص

بھی نکلا"۔

جہانگیر نے نہ تو اپنے سوالات تحریر کیے ہیں اور نہ ہی شیخ احمد سرہندیؒ کے جوابات لکھے ہیں۔ اس لیے ایک غیر جانبدارانہ طالب علم کی حیثیت سے اس کے متعلق محض یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض جہانگیر کا ایک دعویٰ ہے جو بہتان کی تعریف میں آتا ہے۔ سوالات اور جوابات کی غیر موجودگی میں اس کی حقیقت اور اصلیت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ "بے عقل و کم فہم" "مغرور اور خود پسند" قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ دل کا بخار نکالا جا رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ نے مروجہ درباری آداب کے مطابق دربار میں جہانگیر کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ کیونکہ شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مکتوب نمبر ۹۲ جلد دوم میں حق تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز قرار نہیں دیتے۔ اس لیے جب آپ نے مروجہ درباری آداب کے مطابق سجدہ نہیں کیا ہوگا تو اس سے جہانگیر کی انانیت کو زبردست ٹھیس لگی ہوگی۔ اس نے کبھی تصور و گمان بھی نہ کیا ہوگا کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نڈر اور بے خوف بھی ہو سکتا ہے جو مروجہ سجدۂ تعظیمی ادا کرنے سے انکار کر دے۔ لیکن آپ کا یہ فعل سراسر شریعت کے اتباع پر مبنی تھا۔ اس میں نہ کسی کی مخالفت تھی اور نہ مخاصمت۔ نہ کسی کی توہین نہ کسی کی دل آزاری۔ یہ تو محض شریعت کی پاسداری و عظمت کے تصور کے تحت بہت ہی مومنانہ اور جرأت مندانہ عمل تھا۔ جہانگیر کو آپ کا یہ فعل بہت ہی ناگوار خاطر گزرا ہوگا۔ اِسی ناراضگی کی بنا پر آپ کو "بے عقل، کم فہم، مغرور اور خود پسند" ہونے کا طعنہ دیا ہوگا۔

آخر میں جہانگیر یہ تحریر کرتا ہے کہ اس کے (شیخ احمد سرہندی) مزاج کے شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی کا ازالہ کرنے اور عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے اس کی روک تھام کے لیے میں نے شیخ سرہندی کو انی سنگھ دلن کے حوالے کیا کہ اسے قلعہ گوالیار میں قید رکھے۔

جہانگیر نے انی سنگھ دلن کو قلعہ گوالیار میں قید کرنے کے لیے کیوں دیا تھا؟ انی سنگھ دلن ایک راجپوت اور ہندو امیر مملکت تھا جو جہانگیر کا بہت ہی معتمد علیہ اور منظور نظر تھا۔ جہانگیر نے اپنے عہد کے تمام معتوبین یا اپنے مخالفوں کو اسی کے حوالے کیا تھا۔ مثلاً (۱) مرزا رستم جو پانچ ہزاری ذات و سوار کا منصب رکھتا تھا اور ٹھٹھہ کا صوبیدار تھا۔ اور (۲) خسرو جو

جہانگیر کے مقابلے میں تخت کا دعویدار تھا، جس نے بغاوت بھی کی تھی اور ناکام ہو کر گرفتار ہوا اور (۳) مرزا حکیم کے پوتے (جو اکبر کا بھائی تھا اور اس کے خلاف بغاوت بھی کی تھی)۔ ہرمز اور ہوسنگ اور (۴) کشتواڑ کا راجہ کنور سنگھ جس نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی، ان سب کو جہانگیر نے انی سنگھ دلن ہی کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی کو بھی اس کے سپرد کیا اور صرف ایک ماہ قبل جہانگیر نے سن جلوس ۱۴ ماہ فروردین شروع ہی کو اس کو دو ہزاری ذات دو ہزار [12] وشش صد سوار کے منصب پر فائز کیا تھا[1] انی سنگھ دلن پر اپنے خصوصی اعتماد کی وجہ سے جہانگیر نے شیخ احمد سرہندی کو اس کے سپرد کیا۔ اس کے ہندو راجپوت ہونے کی وجہ سے جہانگیر کو یہ یقین تھا کہ انی سنگھ دلن کو شیخ احمد سرہندی کی ترویج شریعت کی تحریک سے ہمدردی نہیں ہو سکتی، اس لیے اس کی نگرانی میں شیخ احمد پر گرفت سخت رہے گی اور انہیں کوئی سہولت و رعایت نہیں مل سکے گی۔

خلاصہ یہ کہ جہانگیر نے اپنی خود نوشت سوانح حیات تزک میں سال جلوس ۱۴ ماہ خورداد ۲۲ کو شیخ احمد سرہندی رح پر جو الزامات واتہام لگائے ہیں وہ ناقدانہ تجزیہ کی رو سے بالکل بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمدؒ کے مخالفین اور حاسدین نے جہانگیر کو اس قدر ورغلایا اور برہم کر دیا اور اس قدر بے سرو پا باتیں اس کے کان میں ڈالیں کہ آپ کے لیے جہانگیر کے دل میں شدید مخالفت پیدا ہو گیا۔ اسی وجہ سے جہانگیر نے حضرت شیخؒ کے خلاف ایسے سخت اور ناشائستہ الفاظ استعمال کیے جن میں نہ تو ادبیت ہے اور نہ ہی انداز شرافت۔

کتابیات | ۱۔ تزک جہانگیری (اردو) مترجم سلیم واحد سلیم مجلس ترقی اردو ادب لاہور
۲۔ اثبات النبوۃ۔ شیخ احمد سرہندیؒ۔ شائع کردہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی۔
۳۔ رد روافض۔ شیخ احمد سرہندیؒ (حضرت مجدد الف ثانی) رامپور انڈیا۔
۴۔ مکتوبات امام ربانیؒ جلد اول، دوم و سوم (اردو) شائع کردہ ملک چنن دین اللہ والے کی قومی دکان لاہور
(باقی بر صفحہ ۴۰)

[1] تزک جہانگیری۔ سلیم واحد سلیم ص ۲۸۱ - ۳۵۲ - ۵۵۰ - ۵۶۴ - ۵۷۵ - ۶۰۹ - ۶۱۳ -

ڈنمارک میں اشاعتِ اسلام

(مُسلم نوجوانوں کی تنظیم کے ایک وفد آمدہ کویت سے گفتگو)

ادارۂ "المجتمع" الکویت (ترجمہ از ادارہ)

ڈنمارک کے مسلم نوجوانوں کی جمعیۃ (اصل نام مضمون میں درج نہیں) کا ایک وفد الکویت میں پہنچا۔ اس وفد میں جمعیۃ کے سکرٹری جناب علی ابراہیم، معتمد مالیات جناب محمد عبدہٗ اور محترمہ سامیہ حسین شامل ہیں جو ڈینیرگری کے ایک اجتماعی مرکز میں منصب یافتہ ہیں۔

مسلم نوجوانوں کی جمعیۃ کی تاسیس ہی نوجوانوں نے کی ہے۔ اس کا اوّلین مقصد اسلام کے صحیح پیغام کو ہر دائرے میں پھیلانا اور بطورِ خاص مسلمان نوجوانوں کے حلقوں تک پہنچانا اور پھر صحیح اسلامی خطوط پر اُن کی تربیت کرنا ہے تاکہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں، اور اپنے دین کے حقائق کا پورا شعور حاصل کریں، نیز مختلف زمانی و مکانی حالات میں اس کے دائمی احکام کا انطباق کرنے پر پوری طرح قادر ہوں۔

یہ جمعیت پورے یورپ کے مسلمان طلباء کے اتحاد و تنظیم کا ایک جزو ہے، اور اس اتحاد و تنظیم کا مرکزی دفتر مغربی جرمنی میں ہے اور اس سے تمام یورپ کے اطراف کی مسلم تنظیمیں وابستہ ہیں۔ یہ جمعیت اپنے آپ کو قانونی یا سیاسی پہلوؤں سے کسی خاص جانب منسوب نہیں کرتی، بلکہ یہ اپنا پیغام پھیلانے کے لیے ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اس معاملے میں کتاب و سنت کے مقررہ اسلوبِ کار کی پابند ہے۔ کئی صورتوں میں یہ دوسری اسلامی تنظیموں سے دینِ حنیف کی خدمت کے لیے تعاون کرتی ہے۔ اپنے اسلوبِ کار اور اپنے نصب العین کے لحاظ سے پورے ڈنمارک میں یہی ایک جمعیت ہے،

بلکہ سکنڈے نیویا کے تمام ملکوں میں یہی کام کرتی ہے۔ یہ آس پاس کی اسلامی آبادیوں کے درمیان اپنے ۲۰ ہزار افراد کے ساتھ مرکزی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ اس کے ارد گرد خود ڈنمارک کی پھیلی ہوئی آبادی ۵۰ لاکھ ہے؟

جمعیت کے سکرٹری جناب علی ابراہیم سے میں نے پوچھا کہ ڈنمارک کے لوگ اسلام سے کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں اور جمعیت نوجوانان اسلام کا پارٹ کیا ہے؟

علی ابراہیم نے جواب دیا کہ: اسلام کے متعلق ڈنمارک والوں کے نقطۂ نظر میں کچھ پریشانی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے متعلق کوئی صحیح اور واضح تصور نہیں رکھتے۔ ۱۹۵۵ء میں ڈنمارک کے عین دارالحکومت میں احمدی تحریک کے تحت ایک مسجدِ احمدیہ کی تعمیر ہوئی۔ اس واسطے سے ڈنمارک والوں کے سامنے اسلام کی ایک ایسی شکل آئی جو غیر واضح اور غیر صحیح تھی۔ ۱۹۷۰ء میں ہم نے جمعیت نوجوانانِ اسلام کی اوّلین تخم ریزی کی۔ لیکن اس وقت اس کا یہ نام نہیں تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اوّلاً ڈنمارک والوں کے سامنے اور دوسرے نمبر پر باہر سے آکر ڈنمارک میں قیام کرنے والوں کے سامنے اسلام کے صحیح مفہوم کی توضیح کی جائے۔

پھر جب اسلام اور اس کے بنیادی حقائق کے متعلق مختلف چیزیں پھیلیں تو ڈنمارک کے باشندوں کی اسلام سے دلچسپی بڑھنے لگی۔ مثلاً وہاں کے مسلمانوں کی اجتماعی دینی سرگرمیوں کا آغاز کیا گیا اور عیدین اور دوسری تقاریب پر ان کو جمع ہونے کی دعوت دی گئی تاکہ وہ اسلام کو سمجھ سکیں۔ نماز عید کوپن ہیگن کے ایک کھلے میدان میں ادا کی جانے لگی۔ پھر جمعیت نے اس پر کمر باندھی کہ اسلامی ذبیحہ کی دکان کا آغاز کیا جائے۔ سکنڈے نیویا کے ممالک میں یہ پہلی مثال تھی۔ پھر دوسری ضروریات کی طرف توجہ دی گئی اور سبزی کی دکان کھلوائی گئی۔ علاوہ ازیں مکتبہ اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر سہل الحصول ہو جائے۔ ان ساری چیزوں کے نتیجے میں ڈنمارکیوں کی توجہات اسلام کی طرف منعطف ہوئیں۔ اور وہ اس کے متعلق سوالات کرنے لگے، اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی طلب وہاں کے عوام اور مزدوروں کے مختلف طبقوں میں پیدا ہوگئی۔

ڈنمارک کے لوگ جنہوں نے سارے طریقے آزما لیے ہیں، یہ حقیقت پا گئے ہیں کہ نہایت ناگزیر ہے کہ زندگی کا روحانی پہلو بھی مکمل ہو اور اسلام ہی وہ واحد عقیدہ ہے جس نے ان کے اندر روح اور جسم دونوں کی ضروریات پوری کرنے کی طلب پیدا کر دی ہے۔ اسلام اپنا سینہ تمام انسانوں کے لیے

کھول دیتا ہے، بخلاف یہودیت کے جو اپنے حلقہ سے باہر کے نئے لوگوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔ اسی طرح مسیحیت قسم قسم کے فرقوں میں بٹ گئی ہے جو سب کے سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے کشمکش میں لگے ہیں۔ رہا جادۂ اسلام، سو وہ ہر انسان کے لیے کھلا ہے، بشرطیکہ وہ حق کی شہادت دے سکے۔ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے پورا موقع ہے کہ وہ پہلے آنے والوں کے حقوق و فرائض میں حصہ دار بنیں۔

میں نے برادر علی سے کہا کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں کہ جیسے اہل مغرب کے قبولِ اسلام میں فطرت خود ہی اپنا کرشمہ دکھا رہی ہے۔

انھوں نے جواب میں کہا کہ:

بجا فرمایا۔ میں بتاتا ہوں کہ جب میں اپنی بیوی سے بحث و تمحیص کر رہا تھا جو ڈنمارکی ہے تو وہ مجھ سے کہنے لگی میں بخوبی سمجھتی ہوں کہ یہ دین میرے لیے اجنبی نہیں ہے اور نہ میں اس سے زیادہ فاصلے پر ہوں۔ نیز یہ کہ وہ اس کے لیے ایک طرح کی کشش محسوس کرتی ہے جو اس کے لیے ہمت افزا ہے۔ اُس نے جب اسلام کے بارے میں مطالعہ کیا اور جب اس کی معلومات اور حقائق میں وسعت آئی تو اُس نے جان لیا کہ اسلام گویا ایک طبعی شے ہے جو اس کی عقل سے مطابقت رکھتا ہے۔ بخلاف قضیۂ تثلیث کے جو مسیحی مذہب میں پیش آتا ہے اور جس پہ بہت کوشش کے باوجود وہ قانع نہ رہ سکی۔

پھر میں نے کچھ ایسے ڈنمارکیوں کے احوال سننا چاہے جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیے۔

برادر محمد عیدہ کہنے لگے: الحاج والی پہلے ڈنمارک کے ایک کنیسہ کے قسیس تھے۔ وہ اس بات کے بہت تمنائی تھے کہ ان کا فرزند ان کا جانشین بنے۔ لیکن انھوں نے یہ حقیقت پالی کہ مسیحیت میں کئی ایسی باتیں ہیں جنھیں عقل اور فطرتِ سلیم قبول نہیں کرتی۔ پس انھوں نے مختلف نئے اور پرانے دوسرے ادیان کے متعلق بحث و نظر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ خبر پھیل گئی کہ ڈنمارک میں قیام کرنے والے مغربی مسلم برادران میں سے کسی سے وہ مباحثہ کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے ہاں انھوں نے کچھ اور ہی معاملہ دیکھا۔ اور ایک ایسی اجتماعی زندگی کا نقشہ اُن کے سامنے آیا جو افراد کے گہرے ربط و تعاون پہ قائم ہوتی ہے۔ اور اس ربط و تعاون کا دوسرے تمام مذاہب اور معاشروں میں فقدان ہے۔

پھر انہوں نے دینِ اسلام کے بارے میں تعلیم اور آگاہی حاصل کرنے اور تبادلہ خیال کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مختصر سے عرصے کے بعد ان پر واضح ہوگیا کہ اسلام ہی دینِ فطرت ہے۔ نیز یہ کہ یہی ایک دین ایسا ہے جو مختلف زمانوں اور مختلف سرزمینوں میں سازگار ثابت ہوسکتا ہے۔ بعد ازاں یہ جب اسلام لے آئے اور اُن کے قبولِ اسلام کی خبر عام ہوگئی۔ پھر وہ بیت اللہ شریف کی زیارت کو نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنا نام بھی بدل کر اسلامی طرز کا اختیار کر لیا، یعنی الحاج وآلی۔

پھر میں نے بہن سامیہ حسین سے درخواست کی کہ وہ ڈنمارکی خواتین کا نقطۂ نظر اسلام کے متعلق بیان کریں۔ اور اُن کے قبولِ اسلام کا تذکرہ کریں۔

وہ کہنے لگیں:

ڈنمارکی عورتوں نے بے لگام آزادی کے اس معیار کو پالیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چاہو کرو۔ مگر ان میں جس قرار و سکون کی حسرت پائی جاتی ہے وہ صرف اسلام میں ہے۔ ایک دن میں ایک ڈنمارکی خاتون کے ساتھ تھی کہ یہ ڈنمارکی لڑکی ہم سے ملی جو اسلام قبول کرنے کی خواہش مند تھی۔ اس سے کچھ گفتگو ہونے کے بعد، اس نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا اور ہم سے چاہا کہ ہم اسے لباس اس طرح پہنائیں۔ اور حجاب کا طریقہ بتائیں جیسے ہم کرتے ہیں۔ سو ہم نے اُسے ستر و حجاب کا لباس پہننا سکھایا، اور بتایا کہ صحیح اسلامی ہیئت کیسی ہوتی ہے۔

ایک اور لڑکی اسلام لائی جب کہ اس کے گھر والے اس بات پر راضی نہ تھے۔ سو وہ اُس کی مخالفت میں ڈٹ گئے اور اس کا مقاطعہ کیا۔ پھر اس لڑکی نے ایک مسلم نوجوان سے شادی کر لی اور اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگی۔ اس کے گھر والوں نے انتہا درجہ کا انقطاع اختیار کر لیا۔ اس پر بھی اُس لڑکی نے کوئی پروا نہ کی۔ کیونکہ اپنے گھر والوں کی محبت کے مقابلے میں اسلام سے اُسے زیادہ محبت و وابستگی تھی۔ اس نے خونی رشتے کی عصبیت سے صرف نظر کر لیا۔ وہ راضی خوشی اپنے شوہر کے ساتھ آباد رہی۔ خدا تعالیٰ نے اُسے دو فرزند عطا کیے۔ جب اس کے گھر والوں کے مقاطعہ کو چار سال ہونے کو آئے تو وہ لوگ خود اس کی ملاقات کے لیے پہنچے۔ اس لڑکی نے ان پر یہ شرط عاید کی کہ وہ ان کے ساتھ رہتے ہوئے شراب یا لحمِ خنزیر جیسی حرام چیزیں استعمال نہیں کریں گے۔ اسی طرح جب یہ لڑکی اُن کی ملاقات کو گئی تو ان پر پابندی لگا دی کہ وہ اس کے لیے اور اس کے شوہر اور اس کی

اولاد کے لیے سوائے طعام حلال کے کچھ سامنے نہ لائیں۔

کچھ مدت گذرنے پر یہ مسلمان لڑکی اپنی بہنوں اور بھائیوں کی نظر میں ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہوگئی۔ اور اپنے بھائی بہنوں کی طرف سے محبت و احترام کے جواب میں اس کے دل میں بھی اُن کے لیے گہرا میلان پیدا ہوگیا۔

پھر اس کے ماں باپ نے اُس کے مسلمان شوہر میں امانت اور استقامت کا مشاہدہ کر لیا تو اُس کے سامنے اپنی یہ خواہش بیان کی کہ وہ دونوں اُن کے ساتھ رہیں اور اُن کے گھر کی ملکیت سنبھالیں۔

آخری بات میں نے یہ پوچھی کہ مغرب میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے لٹریچر اور عملی اقدام میں سے کونسی چیز زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

جواب ملا،

دیکھیے، عملی اقدام کو اولیت حاصل ہے، کتابیں اس کے بعد آتی ہیں۔ یورپی معاشرے متمدن ہیں اور یہاں کے لوگ بہت پڑھتے ہیں۔ سو فکری صورت میں ان تک اسلام کے پہنچانے میں کوئی مشکل نہیں۔ لیکن اُن کے دل ہر قسم کے عقیدے سے بے نیاز ہیں۔ اسی صورت میں جب اُن کے دل اور روحیں اپنی فطرت کو اسلام میں منعکس دیکھتے ہیں تو وہ اُسے قبول کرتے ہیں اور اس کے ساتھ چلتے ہیں۔

شاید کوپن ہیگن کے مدرسہ علیا کے مذاکرات اس کی بہترین مثال ہیں۔ یہ مذاکرات ادارہ کے معمول کے مطابق ہر سال کے چار مہینوں میں منعقد ہوتے ہیں۔ مختلف مذاہب کے مقررین کو بُلا کر سوال و جواب کرنے کی مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ بطور خاص ہمارے ذمے اسلام کے مباحث پر تقریر کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ ہماری جمعیت سے دو اصحاب کو تقریر اور سوال و جواب کے لیے نامزد کیا گیا۔ یہ بات تحیر انگیز تھی کہ تمام حاضرین تقریر کے خاتمہ کے بعد ہم سے خواہشمند تھے کہ سلسلہ گفتگو یونہی جاری رہے۔ حالانکہ دوسرے تمام مذاہب کے لیکچروں کے بعد ایسا نہیں ہوا مجمع میں موجود بعض خواتین نے یہ کہا کہ ہم زیادہ دیر تک آپ کے ساتھ (گفتگو کے لیے) بیٹھنا چاہتی ہیں۔ آپ لوگ تمدن پسند ہیں اور آپ میں رہبانیت کی رُوح نہیں ہے۔ اور آپ کے اندر اسلام کی کشادگی نمایاں ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جلسہ کے حاضرین کو باوجود اس کے کہ ان کو وہاں بیٹھنے میں کچھ تکالیف بھی تھیں، اسلام سے مسرت حاصل ہوئی۔

حرفِ آخر یہ کہ ہمارے لیے وجہ سعادت ہے کہ ہم مسلمانوں کو خوش خبری دے رہے ہیں کہ کس طرح ڈنمارک میں اسلام کی دعوت پھیلائی جا رہی ہے اور اس کے لیے کتنی تیزرو سرگرمی عمل میں آ رہی ہے۔

(بقیہ شیخ احمد سرہندیؒ کے خلاف الزامات)

۵۔ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد۔

۶۔ کلیات خواجہ باقی باللہ۔

۷۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی مولانا محمد میاں۔ دہلی۔

۸۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ مرتبہ مولانا منظور نعمانی۔ لکھنو۔

۹۔ موجِ کوثر شیخ محمد اکرام لاہور

۱۰۔ حیاتِ مجدد محمد قربان

۱۱۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سید زوار حسین۔

رسائل و مسائل

وتر میں دُعائے قنوت

ملک غلام علی صاحب

سوال:- ۱- خطبات (تئیسواں ایڈیشن اگست ۱۹۷۳ء) صفحہ ۱۵۶ پر جو دُعائے قنوت درج ہے اس میں عام مروج دُعائے قنوت سے دو لفظ زائد ہیں۔

۱- پہلی سطر میں نَسْتَهْدِيْكَ کا لفظ

۲- تیسری سطر میں كُلَّهٗ کا لفظ

۲- خطبات حصّہ دوم نواں ایڈیشن صفحہ ۴۳ پر جو دُعائے قنوت درج ہے اس میں مندرجہ بالا دونوں لفظوں کے علاوہ ایک اور لفظ اَلْجِدَّ زائد ہے۔ یہ دُعا کے آخر میں بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ سے پہلے لکھا ہوا ہے۔

مندرجہ الفاظ اگر دُعائے قنوت ہی کا حصّہ ہیں تو اس کی سند کیا ہے؟ پھر اہل حدیث حضرات اس سے مختلف دُعا رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر پڑھتے ہیں۔ اس عمل کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے؟ براہ کرم وضاحت کریں تاکہ اطمینان حاصل ہو۔

جواب:- (از ملک غلام علی صاحب) نمازِ وتر کی آخری رکعت میں ایک سے زائد دُعائے قنوت کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ ان کی سند اگرچہ صحت کے اعلیٰ مرتبے تک نہیں پہنچتی لیکن اُمت کے جمہور محدثین و فقہا نے انہیں قبول کیا ہے اور اُن پر عمل کیا ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے بھی دعائے قنوت کے وتر میں پڑھے جانے کا ثبوت ملتا ہے، البتہ اس کے پڑھنے کے موقع اور اس کے الفاظ کے

بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہے اور شافعیہ و حنبلیہ کے نزدیک اس کا رکوع کے بعد پڑھنا مسنون ہے۔ شیخ محمد ناصرالدین البانی اپنی کتاب صلوٰۃ النبی .... میں ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، احمد، طبرانی، بیہقی وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم احیاناً وتر کی (آخری) رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے"۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں حنفیہ کی واجب دعائے قنوت جو حضرت ابن مسعودؓ کے حوالے سے منقول ہے وہ درج ذیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَھْدِیْکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ، نَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ۔ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ، اِنَّ عَذَابَکَ الْجِدَّ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

غُنیۃ المستملی فی شرح مُنیۃ المصلّی جو فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے اور الشرح الکبیر یا "کبیری" کے نام سے عام طور پر معروف و مشہور ہے۔ اس میں دعائے قنوت کے الفاظ وہی ہیں جو اوپر درج ہیں اور جو آپ نے خطبات کے نویں ایڈیشن سے نقل کیے ہیں۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے حضرت خالد ابن ابی عمران سے روایت منقول ہے کہ جبرئیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائے قنوت سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَخْضَعُ لَکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّکْفُرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ۔ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخَافُ عَذَابَکَ۔ اِنَّ عَذَابَکَ الْجِدَّ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ

ظاہر ہے کہ اس دعا اور منقولہ بالا دعا میں تھوڑا بہت لفظی تفاوت ہے۔ اس کے بعد امام ابن الہمام

مزید فرماتے ہیں۔ لو قرأ غیرہ جاز والاولی ان یقرأ بعدہ قنوت الحسن:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ.......

اگر نمازی مذکورہ بالا دعا کے سوا کوئی دوسری دعا پڑھے تو بھی جائز ہے اور اولیٰ و افضل یہ ہے کہ اس دعا کے بعد وہ دعائے قنوت بھی پڑھے جو حضرت حسنؓ کو آنحضورؐ نے سکھائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ......)

کبیری میں ترمذی اور سنن اربعہ کے حوالے سے وتر کی یہ دعا بھی منقول ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

صاحب کبیری (شیخ ابراہیم الحلبی) بھی فرماتے ہیں۔

والاولی ان یضم الیہ ما تقدم عن الحسن...... اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ ......

(بہتر اور افضل یہ ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ...... کے ساتھ ملا کر وہ دعا بھی پڑھی جائے جو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی تھی اور وہ یہ ہے:۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ.....''

اس کے بعد شیخ الحلبی لکھتے ہیں۔

وغیر ذلک من الادعیۃ التی لا تشبہ کلام الناس۔

(مذکورہ دعاؤں کے علاوہ کوئی دوسری دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے مگر وہ انسانوں کی عام گفتگو سے ملتی جلتی نہ ہو)۔

اس مختصر سے جواب سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے بھی پڑھی جاسکتی ہے اور رکوع کے بعد بھی۔ جو دعا اہل حدیث حضرات پڑھتے ہیں اور جو احناف پڑھتے ہیں دونوں مسنون و ماثور ہیں، بلکہ حنفیہ کے نزدیک دونوں کو جمع کرنا افضل ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں درج ہے کہ حنابلہ کے نزدیک جو دعائے قنوت وارد ہو اور افضل

ہے وہ یہ ہے :-

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَ نَسْتَهْدِيكَ وَ نَسْتَغْفِرُكَ وَ نَتُوبُ إِلَيْكَ وَ نُؤْمِنُ بِكَ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَ نُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ ، نَشْكُرُكَ وَ لَا نَكْفُرُكَ - اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِلَيْكَ نَسْعٰى وَ نَحْفِدُ ، نَرْجُو رَحْمَتَكَ وَ نَخْشٰى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ -

(اس کے بعد متصلاً وہی دعا تحریر ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ پھر وہ دعا درج ہے جو فتح القدیر کے حوالے سے اوپر گذر چکی ہے یعنی اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ ---) پھر حنبلیہ کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ مذکورۂ بالا دعاؤں کے سوا کوئی دوسری دعا پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اگرچہ ماثور دعائیں افضل ہیں۔ گویا کہ الفاظ کے لحاظ سے احناف اور حنابلہ کی دعائے قنوت میں بھی کوئی خاص فرق نہیں ہے، اگرچہ حنابلہ رکوع کے بعد دعا کو افضل سمجھتے ہیں اور دعا میں دونوں ہتھیلیاں اوپر اٹھاتے ہیں اور ختم دعا پر پھیرتے ہیں جیسا کہ ہمارے دیار کے حضرات اہل حدیث کا عمل ہے۔ اِن حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اور انہیں منہ پہ ملنا مسنون ہے اور بعض صحابہ سے بھی یہ عمل منقول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جس طرح نماز میں دوسری دعائیں ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح دعائے قنوت بھی پڑھی جائے۔ بعض اصحاب (مثلاً امام بیہقی) کا قول ہے کہ ہاتھ اٹھائے تو جائیں مگر چہرے پہ ملے نہ جائیں۔ ہمارے نزدیک یہ محض جزوی اختلافات ہیں جن میں سے ہر ایک کے حق میں یکساں استدلال ممکن ہے اور ہر مسلک اپنی جگہ پہ جائز و صحیح ہے۔

مطبوعات

جادو کی حقیقت

مؤلّف : ڈاکٹر حبیب الرحمٰن الٰہی علوی

پتہ : عبداللہ ہارون روڈ کراچی

قیمت : مجلد بغیر پلاسٹک کور -/۲۰ روپے

پلاسٹک کور کے ساتھ -/۲۳ روپے

ضخامت ۲۲۸ صفحات

پاکستان کے مشہور ڈاکٹر الٰہی علوی (ڈینٹل) کی شخصیت بڑی جاذبِ توجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو نعمتِ ایمان کے ساتھ قرآن و حدیث کے مطالعہ کی توفیق دی، اور وہ ہوسِ زر کی اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے جس کی لپیٹ میں ڈاکٹروں کی اکثریت آچکی ہے۔ ڈاکٹر صاحب زمانہ قدیم کے ممتاز اطباء کی طرح ایک طرف اپنے مخصوص فن کو ذریعہ خدمت انسانیت سمجھتے ہیں اور دوسری طرف الٰہی کی مانند علمِ دین سے بہرہ مند ہو کر رُوحانی و اخلاقی بیماریوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

"جادو" کا موضوع اس وجہ سے اہم ہے کہ قرآن و حدیث نے اس کا اثبات کیا ہے، مگر جدید مادہ پرستانہ علوم چونکہ حسیات سے ماوراء کسی وجود کو نہیں مانتے، اس لیے نئے لوگ جادو کو ایک شے موہوم قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن و حدیث سے سند لے کر جدید نفسیاتی علوم کی مدد سے جادو کی حقیقت کو واضح اور اس کی مختلف صورتوں کو متعین کیا ہے۔ سلسلہ بحث میں ابلیس، شیاطین، قرین (وہ وجود جس کے ہر انسان کے ساتھ پیدا ہونے کا اشارہ حدیث سے ملتا ہے)۔ رُوح، النفس (لوامہ، امارہ، مطمئنہ) جنات، حضرت سلیمان علیہ السلام کا جنوں پر تسلط، یہودیوں میں جادو گری کا جواز، فری میسنری، عمل تنویم، آسیب زدگی، جادو سیکھنے کا طریقہ، جادوگروں کی بلور بینی ضمیر دانی، جادو گر مداریوں، مسمریزم ماسٹروں، نٹوں اور انوکھے کرشمے دکھانے والوں کے رُوپ ، دربارِ جہانگیری میں رسّے کا شعبدہ،

رُوحانی عامل اور سیانے اور رمال، ہنڈیا کا جادو، جادوگری، مولویوں اور ملاؤں کے روپ میں، جادوگر طبیب کے روپ میں، یوگیوں کی ساحری، مجاوروں کے کرشمے، نظربندی، پلانچٹ، حرکت بعید۔ اتصال القلوب اور مشاہدہ بعید، شرک بنانے سحر اور جادو کے مقابلے میں نماز کی برکات وغیرہ بے شمار موضوعات پر ڈاکٹر صاحب نے بڑے مؤثر انداز تحریر میں بیش بہا معلومات جمع کر دی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں احسان الٰہی ظہیر، شاہ بلیغ الدین، مولانا عبدالغفار حسن، علامہ عبدالقدوس ہاشمی کے تعارفی نوٹ اور علامہ محمد ناظم ندوی کا تبصرہ درج ہے۔ ان حضرات نے اوّل تو کہنے کے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں، اور اگر کچھ بات بنائی بھی جائے تو ان صفحات میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔

میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ڈاک سے کتاب موصول ہوتے ہی میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا اور اِس پار سے اُس پار نکل جانے تک کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ مجھے شبہ ہے کہ ڈاکٹر الٰہی علوی کی تحریر میں بھی کچھ جادو ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ سحرِ حلال ہے۔

سفید کاغذ اور مضبوط جلد کے ساتھ یہ ایک اچھی کتاب ہے جسے پڑھنے والوں کو پڑھنا چاہیے۔

رکم اِل رُنگ

مؤلف و مرتب: نامعلوم

ناشر: کاظمی پبلشنگ ہاؤس، راولپنڈی، پاکستان

قیمت: درج نہیں۔

ضخامت: ساڑھے تین سو صفحات۔

یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر کیا لکھا جائے اور کس طرح لکھا جائے۔ پتھریلی اصطلاحات اور چوبی الفاظ کی تکرار کا یہ ایک ایسا مجموعہ ہے کہ اس کا جو بھی صفحہ پڑھیے، ویسا ہی ہوگا جیسے دوسرے صفحے۔ بالعموم کمیونسٹوں کا پروپیگنڈہ لٹریچر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ۵۰، ۶۰ سال میں بھی یہ لوگ ایک اچھی ادبی زبان اور ایک من موہنا استدلال نہ پیدا کر سکے۔ ان کا سارا زور سازشی منصوبوں کے ذریعے دوسری قوموں کو سُرخ انقلاب کے جال میں پھانسنے پر صرف ہو جاتا ہے۔ نشد دپسند

اور سازش کار تحریکیں اور خون ریز انقلابات کے ساتھ اعلیٰ ادب کا جوڑ ہی نہیں۔ جب دین بگڑا ہوا ہو تو زبان لازماً بگڑ جاتی ہے۔

اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ امریکی سامراجیوں اور اُن کے کٹھ پتلی قسم کے پٹھوؤں نے مل کر جنوبی کوریا کو شمالی کوریا سے الگ کر دیا ہے۔ حالانکہ شمالی و جنوبی کوریا کی تمام حقیقی جمہوری سیاسی جماعتیں کوریا کا اتحاد چاہتی ہیں۔ لہٰذا عزیز ہم وطنو! آؤ ہم رجعت پسند عناصر اور قوم کے غداروں کو اچھی طرح بے نقاب کر دیں۔ آؤ ہم انتخابات کے ناٹک میں ملوث نہ ہوں۔ متحد، آزاد اور جمہوری کوریا زندہ باد!

پروپیگنڈا ٹکنیک یہ ہے کہ جو شمالی کوریا کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے وہ رجعت پسند، امریکی پٹھو وغیرہ ہے۔ ساتھ ہی یہ لوگ شمالی کے ساتھ ساتھ پورے جنوبی کوریا کے متعلق اعلان کرتے ہیں کہ وہاں کی تمام جمہوری قوتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ اگر ساتھ ہیں تو لوگ کیوں نہیں آپ سے مل جاتے۔ رکاوٹیں ہیں تو کیوں نہیں آپ کی طرف بھاگ کے چلے جاتے، جیسے مغربی جرمنی سے لوگ جانوں پر کھیل کر مغربی جرمنی میں پہنچتے رہتے ہیں۔

سوال یہ بھی ہے کہ آخر اس لمبی کہانی سے ہم پاکستانیوں کو کیا دلچسپی؟ اور یہاں کے کاظمی پبلشنگ ہاؤس نے اس کتاب کی اشاعت کے بھاری مصارف کیسے اٹھائے؟ سوال یہ بھی ہے کہ اگر اسلام اور اسلامی ریاست اور عالم اسلام کے مسائل کے بارے میں شمالی کوریا میں کوئی اشاعتی ادارہ کام نہیں کر سکتا تو آخر پاکستان ہی کو کیوں کھلی چراگاہ سمجھا جائے۔ کیا یہاں اتنا لٹریچر چھاپنے اور پھیلانے کے جواب میں آپ اپنے ہاں اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور فروخت کی آزادی دے سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو یہ یک طرفہ ٹریفک کب تک!

پھر ہم پاکستانیوں کو سوشلزم اور کمیونزم کا لٹریچر کیسے اپیل کر سکتا ہے جب کہ اس نظریہ کے چکر میں آ کر حال ہی میں دو مسلمان ملکوں میں مسحور مسلمانوں ہی کے ہاتھوں پانچ پانچ چھ چھ ہزار مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ ہمارے سامنے صومالیہ اور اریٹیریا کے مسلمانوں کی مظلومانہ جراحتیں بھی ہیں اور ہم برما اور کمبوچیا میں سوشلسٹ اقتدار کی تلوار سے لاکھوں مسلمانوں کی تباہی کا منظر عین اسی لمحے دیکھ رہے ہیں۔ پھر ہم یہ بھی نہیں بھول سکتے کہ تاریخ میں شہرت یافتہ مسلمان علاقوں کے اندر اسلامی عقائد اور اقدار کو نہس نہس کر دیا گیا ہے اور جبراً مسلمان نوجوانوں کو ملحد اور لڑکیوں کو بے پردہ

بنانے کی مہمات چلائی گئیں۔ حالانکہ دوسری جانب یہودیوں کو اپنی یہودیت کے ساتھ جینے کے مواقع حاصل ہیں۔

جس نظریہ و تحریک کے ہرکارے کے نتیجے میں ہمارے قلوب سے خون ٹپک رہا ہے، اس کی تبلیغ ہمارے گھر میں آکر ہمارے سامنے کرنا ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ جہاں ہماری اپنی سرزمین پر (کوریا کے امریکی پٹھوؤں کی طرح) سوشلزم کے پٹھو پیدا کر لیے گئے ہیں۔ ان لوگوں سے جس پارٹ کی توقع کی جا سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ پاکستان کو اغوا کر کے سوشلزم کے اکابر کے قدموں میں جا ڈالیں اور پورے ملک کو لیبر کیمپ میں بدل دیں۔ یہ تو ہماری آزادی چھیننے اور ہمیں دوسروں کی غلامی میں دینے اور خود مسلمانوں کا خون بہانے کی تیاریاں ہیں اور ان تیاریوں کی پشت پناہی کے لیے شمالی کوریا کی کتابیں بھی اور معاوضہ پر شائع شدہ مضامین بشکل اشتہارات بھی بصرفِ زرکثیر پاکستان میں اشاعت پذیر ہیں۔

اس کتاب پر ہمارا تبصرہ یہی ہے کہ چاہے شمالی کوریا جنوبی کوریا کو اپنے اندر جذب کرنا چاہے، خواہ دوسرے معاشروں، خصوصاً مسلمانوں کے اوطان میں وہ اپنے ذہنی اثرات پھیلانا چاہے، ہم ہر ایسے انقلاب کو انسانیت دشمن قرار دیتے ہیں جو سازشی پس منظر، مکارانہ پروپیگنڈے، دنی الطبع لوگوں کے ضمیروں کی خریداری کے ساتھ تشدد و بہیمیت کے ہتھیاروں سے خون کی ندیاں بہا دے اور انسانی لاشوں کے انبار پر فراعنہ جیسے سخت گیرانہ اقتدار کا محل کھڑا کرے اور اس محل کی پیشانی پر معاشی آزادی، انصاف اور مساوات کے خوبصورت طغرے نقش کرائے۔

حکومت کو چاہیے کہ پاکستان کی زیر تشکیل اسلامی ریاست میں اشتراکی ممالک کی لابیز پر کڑی نظر رکھے اور اسلام سے بنیادی طور پر متصادم نظریات و تحریکات کے لٹریچر کے لیے یہاں طبع و اشاعت کے مواقع نہ دے۔ اگر دے تو برابر سرابر (RECIPROCAL) بنیادوں پر، یعنی جتنا موقع ہمارے اسلامی لٹریچر (کتابیں، جرائد، مقالات، مضامین بشکل اشتہارات) کو دوسرے ملکوں میں اشاعت کا ملے گا، اتنا ہم دوسروں کو شائع کرنے دیں گے۔ مثلاً اگر سوویٹ یونین کا رسالہ طلوع شائع ہوتا ہے تو ہماری طرف سے بھی "شعاع" یا "منبع" نامہ روس میں شائع اور فروخت ہونا چاہیے۔ کوریا میں بھی معاملہ ان خطوط پر کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ صورت بدرجۂ آخر ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اسلامی ریاست اس کی روادار نہیں ہو سکتی کہ اس میں مخالفِ اسلام تحریکات کے پروپیگنڈا لٹریچر کا ایک ورق بھی شائع یا تقسیم ہو۔ (ن - ص)

تفہیم القرآن ـــ جلد ششم

کا

نیا ایڈیشن

عمدہ کتابت وطباعت اور جلد سازی کی جملہ خوبیوں
سے آراستہ ہو کر تیار ہے
تاجران کتب اور قارئین کرام اپنی مطلوبہ تعداد کیلیے
پہلی فرصت میں اپنے آرڈر سے ہمیں مطلع فرمائیں

ہدیہ :- ۴۲/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن۔ اچھرہ۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

خبروں کے معانی و پس منظر کے لیے

ایڈیٹر : محمد فاروق سروردی

ہفت روزہ

پس پردہ

لاہور

ملاحظہ فرمائیے

اگر آپ ہفت روزہ **پس پردہ** کے سالانہ خریدار بن جائیں تو آپ کو درج ذیل بچت ہو گی،

سالانہ خریداری

رعایتی قیمت	کل قیمت	کل پرچے
۸۵/۰۰	۱۳۰/۰۰	۵۲

مدت خریداری میں شائع ہونے والے خصوصی شمارے بھی اسی رعایتی قیمت میں شامل ہوں گے۔ ان کی زائد قیمت وصول نہیں کی جائے گی۔

براہ کرم بدل اشتراک کی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ ارسال فرمائیں یا تحریر فرمائیں کہ رسالہ بذریعہ وی پی ارسال کر دیا جائے

ہفت روزہ **پس پردہ** ۔ ۳ ۔ میر سٹریٹ چوک چوبرجی ۔ لاہور